فیصل آباد
پاکستان
ماہنامہ
مِلِّیَّة
جمادی الثانی ۱۴۳۳ھ بمطابق مئی 2012ء
www.milliafsd.com
زیر ادارت
ابن انیس مولانا حبیب الرحمٰن لدھیانویؒ

دلوں کو مرکزِ مہر و وفا کر
حریمِ کبریا سے آشنا کر
جسے نانِ جویں بخشی ہے تو نے
اسے بازوئے حیدرؑ بھی عطا کر
علامہ اقبالؒ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

ہر اسلامی مہینے کے شروع میں شائع ہوتا ہے۔

جلد نمبر 8 جمادی الثانی ۱۴۳۳ھ

بمطابق

شمارہ نمبر 5 مئی 2012ء

فہرست مضامین

بیاد

حضرت مولانا انیس الرحمٰن لدھیانویؒ

خلیفہ مجاز حضرت شاہ عبدالقادر رائپوریؒ

بفیض

رحمۃ اللہ علیہ

مدیر اعلیٰ و سرپرست

ابن انیس مولانا حبیب الرحمٰن لدھیانوی

مدیر

حماد الرحمٰن لدھیانوی

نائب مدیر

جواد الرحمٰن لدھیانوی

فی شمارہ 20 روپے پاکستان میں سالانہ 200 روپے

سالانہ بدل اشتراک بیرون ملک 40 امریکی ڈالر

ماہنامہ ملّیہ جامعہ ملّیہ اسلامیہ

محلہ خالصہ کالج P.O مدینہ ٹاؤن، فیصل آباد

041-8711569

0321-6611910

ناشر......حبیب الرحمٰن لدھیانوی مطبع: ظفر اینڈ فضل پرنٹنگ پریس فیصل آباد

Decl No. 3483-85

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اَلْحَمْدُلِلّٰہِ وَسَلَامٌ عَلٰی عِبَادِہِ الَّذِیْنَ اصْطَفٰی

پاکستان کو قائم ہوئے پینسٹھ سال گذر چکے ہیں۔قیام پاکستان کے وقت جو بوڑھے تھے اب اس دنیا میں نہیں رہے، جو لوگ جوان تھے ان میں سے بھی نوے فیصد انتقال کر گئے، جو باقی رہ گئے ہیں وہ گمنامی یا معذوری کی زندگی گذار رہے ہیں۔جو لوگ قیام پاکستان کے بعد پیدا ہوئے ہیں وہ جوانی کی دہلیز پار کر کے بڑھاپے میں قدم رکھ چکے ہیں، انکی جو نسل ہے وہ اب بھر پور جوان ہے۔

قیام پاکستان کے بعد میں پیدا ہونے والی دو نسلیں حیرانی کے سمندر میں غوطے کھا رہی ہیں ،انہوں نے پاکستان بنتے نہیں دیکھا،انہوں نے قیام پاکستان کے وقت قومِ مسلم کا بہتا ہوا خون،مسلمان خواتین کی لُٹتی ہوئی آبرو، ماؤں کے سینوں سے چھین کر نیزوں کی اَنیوں پر اُچھلتے ہوئے لال،کئی ہزار مسلمان بہو بیٹیوں کا ہندوؤں اور سکھوں کے قبضے میں چلے جانا،کئی ہزار مساجد کا اصطبل میں بدل جانا نہیں دیکھا۔انہوں نے وہ لُٹے پٹے قافلوں کی ہجرت نہیں دیکھی جن کا چلتے وقت کنبہ پورا تھا مگر جب وہ پاکستان کی سرحد میں داخل ہوئے تو پورے کا پورا کنبہ تہہ تیغ ہو چکا تھا۔ان کو جو تاریخ پڑھائی گئی وہ انتہائی جھوٹ کا پلندہ ہے،انہیں یہی بتلایا گیا کہ سوٹڈ بوٹڈ ڈرائنگ روم میں کاؤچوں پر بیٹھنے والے ،ہاتھ میں سگار کا کش لگا کر اس کے دھوئیں کے مرغولوں سے دل بہلانے والے نوابوں،سروں،خان بہادروں،مخدوموں،گدی نشینوں، جاگیرداروں ،سرمایہ داروں نے بغیر کوئی تنکہ توڑے آزادی کی جنگ لڑی اور پاکستان بنالیا۔ان لوگوں نے پوری تاریخ کو سات سال تک محدود کر کے رکھ دیا،نئی نسل کو یہ بتایا گیا کہ آزادی تو ایک ہی قرارداد کی مار تھی،قرارداد پیش کرنے والے انتہائی زیرک تھے، کہ انہوں نے ۱۹۴۰ء میں صرف ایک ہی قراداد کے ذریعہ سات سال میں آزادی

حاصل کر لی اور پاکستان بنا دیا۔ اس سے پہلے کی تمام تاریخ کو پس پشت ڈال دیا گیا۔ ان تمام لوگوں کو ہیرو قرار دیدیا گیا جو کہ انگریز سے مخبریوں کے بدلے میں جاگیریں حاصل کرتے رہے۔ اور وہ لوگ کہ جنہوں نے برسوں انگریز کے خلاف تحریک چلائی، قید و بند کی صعوبتیں برداشت کیں، پھانسیوں پر جھول گئے، اپنا گھر بار لٹا دیا، ان کے متعلق کہا گیا کہ یہ لوگ انتہائی نااہل اور ناعاقبت اندیش تھے، چنانچہ ان کو غدار اور آزادی کے دشمن قرار دیکر ہماری نئی نسل کے سامنے قومی مجرم کے طور پر پیش کیا۔

آخر یہ تاریخی دجل کب تک چھپایا جا سکتا تھا، ایک دن تو ایسا آنا تھا کہ اصل حقائق دنیا کے سامنے آتے، آخر وہ دن آ گئے۔ آج ان لوگوں کی صدائے بازگشت ہر جگہ پر سنائی دے رہی ہے جنہوں نے تقسیم ہند کے وقت اپنے تحفظات بیان کئے تھے۔ آج ان کے خدشات پہاڑ کی طرح صاف نظر آ رہے ہیں۔ آج صرف آزادی نہیں بے لگام میڈیا کا دور ہے، آج ٹی وی چینلوں، اخبارات، رسائل میں یہ سوال اُٹھایا جا رہا ہے کہ کیا اسی پاکستان کے لئے یہ سب کچھ کیا گیا تھا؟۔ اسی سال ۲۳ /مارچ کو جیو نیوز پر کامران خان نامی پروگرام میں اس پر بحث کی گئی ہے، اور ساتھ ساتھ مولانا ابوالکلام آزادؒ کی ان پیشگوئیوں کا ذکر کیا گیا جو کہ انہوں نے پاکستان کے بنتے وقت کی تھیں۔ جن کا لُب لباب یہ تھا کہ مسلمان تقسیم ہو کر کمزور ہو جائیں گے، یہ ملک چل نہیں سکے گا، ملک چلانے والے کبھی بھی آزاد پالیسی نہیں بنا سکیں گے وغیرہ وغیرہ۔

بالکل اسی طرح بانیٔ احرار، صدرِ احرار، رئیس الاحرار حضرت مولانا حبیب الرحمٰن لدھیانویؒ نے بھی کچھ پیش گوئیاں کی تھیں، جو کہ مفروضے کی بنیاد پر نہیں کہیں تھیں، بلکہ اس کے پیچھے ان کا چالیس سالہ سیاسی تجربہ اور تجزیہ تھا۔ انہوں نے آزادی کی خاطر کئی سال جیل کی کال کوٹھریوں میں گذارے تھے۔ انہوں نے بانیٔ پاکستان مسٹر محمد علی جناح سے لیکر موہن داس کرم چند گاندھی تک ہر چھوٹے بڑے مسلم اور غیر مسلم لیڈر کو بڑے قریب سے دیکھا اور پرکھا تھا۔ نہ صرف ان لیڈروں کو دیکھا اور پرکھا بلکہ وہ تمام لیڈر بھی رئیس الاحرارؒ کی سیاسی بصیرت اور دور اندیشی کے قائل تھے۔

ہمارے ملک کے مقتدر حضرات نے اپنے بڑوں کی انہی خامیوں کو چھپانے کے لئے ان زیرک لوگوں کی کردار کشی کو اپنا اوڑھنا اور بچھونا بنا لیا ہے، انہیں تاریخ میں نااہل اور غدار کہا۔ اور اس کے مقابلے میں مسٹر جناح اور ان کے ساتھیوں کو اہل اللہ سے بھی بڑا درجہ دے کر انبیاء کی صف میں شامل

کر دیا، جن سے کسی بھی قسم کی لغزش کا سرزد ہونا محال بتایا گیا ہے۔ گذشتہ دنوں ایک کتاب ''تو صاحب منزل ہے کہ بھٹکا ہوا راہی'' میری نظر سے گذری، جس میں روزنامہ نوائے وقت لاہور کے حوالے سے بانئ پاکستان قائداعظم محمد علی جناح مرحوم کے عشق میں سرشار کسی پروفیسر مظفر مرزا صاحب کے لکھے ہوئے یہ فقرے درج تھے۔

محسوس ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں لامتناہی انسانی اوصاف سے مزیّن فرمایا تھا، تمام زندگی کمپیوٹرائز تھی، ایک ایک لمحہ ایک ایک سانس، خون کا ایک ایک قطرہ اسلامیانِ ہند کی آزادی وخودمختاری کے لئے صرف فرما رہے تھے، اتنی عظیم اسلامی مملکت کو تخلیق کیا جس کی مثال دنیا میں کہیں بھی دستیاب نہیں۔

اسی مضمون میں ایک جگہ فرماتے ہیں:

اللہ تعالیٰ کی ذات واحد اور احد ہے، لہٰذا قائداعظم کو بھی خالصتاً واحد ہی پیدا فرمایا، کوئی دوسرا قائداعظم نہ پیدا ہوا'' (روزنامہ نوائے وقت لاہور ۱۴ر جون ۲۰۰۷ء)

اگر دینی غیرت اور ایمانی حرارت سے دیکھا جائے تو یہ بات شرک فی التوحید اور شرک فی النبوۃ کے زمرہ میں آتی ہے۔ اب ہم اگر کچھ کہیں گے تو شکایت ہوگی۔

حقیقت یہ ہے کہ مسٹر محمد علی جناح کی زندگی ایسی نہ تھی کہ اس کو مثال بنا کر پیش کیا جائے۔ ہم مسٹر جناح کی ذاتی زندگی پر بات نہیں کریں گے، مگر یہ ضروری سمجھتے ہیں کہ مسٹر جناح کی زندگی کے سیاسی اور مذہبی گوشے دنیا کے سامنے بلا کسی ڈر اور خوف کے بیان کر دیئے جائیں جس سے پاکستانی مجبور ومحروم قوم کو آگاہی ہو سکے۔ مسٹر جناح کی بود وباش انگریزی تہذیب کا چلتا پھرتا اشتہار تھی، سر کے ہیٹ سے لے کر پاؤں کے جوتوں تک بنا بنایا انگریزی تہذیب کا ایک شاہکار تھی، شروع ہی سے انگریزی کونسلوں کے ممبر بننے کے شوقین تھے۔ عوامی سطح پر ان کی کوئی شناخت نہ تھی، وائسرائے کی ٹیبل تک ان کی سیاست محدود تھی۔ ان کا مسلمان عوام میں سب سے پہلا تعارف غازی علم الدّین کے مشہور مقدمہ میں وکالت کی بنیاد پر ہوا۔

برصغیر کی تاریخ میں غازی علم الدّین شہید کا واقعہ مشہور ہے، ایک ہندو ناشر راجپال نے رسول اللہ ﷺ کی شان میں گستاخانہ کتاب شائع کی جس پر غازی علم الدّین نے راجپال کو قتل کر دیا اور گرفتار ہو

گیا۔ غازی علم الدّین شہید نے عدالت میں جا کر اقبال جرم بھی کر لیا۔ چنانچہ سیشن عدالت نے غازی علم الدّین شہید کو سزائے موت سنا دی۔ پھر ہائی کورٹ میں اپیل دائر کر دی گئی، لیکن یہ اپیل خارج کر دی گئی۔

غازی علم الدّین شہید کے کیس کی پیروی کے لئے اس وقت کے قابل اور مشہور وکیل مسٹر محمد علی جناح جو کہ بمبئی میں مقیم تھے کو لایا گیا اور باقاعدہ اس کیس کو لڑنے کے لئے مسٹر جناح سے فیس طے کی گئی۔

میرے والد مولانا انیس الرحمٰن لدھیانوی مرحوم اکثر جمعہ کے اجتماعات میں فرمایا کرتے تھے کہ

> مسٹر جناح کو غازی علم الدّین شہید کا مقدمہ لڑنے کے لئے تیرہ ہزار روپے دینے طے کئے گئے۔ جس میں دس ہزار روپیہ فیس، دو ہزار روپیہ منشیانہ اور ایک ہزار روپیہ آنے جانے کا خرچ تھا۔ یہ رقم سیٹھ میر احمد حسن (جن کا دہلی اور شملہ وغیرہ میں بڑا کاروبار تھا) کے ذریعہ سے ادا کی گئی۔ یہ رقم عوام الناس نے مقدمہ لڑنے کے لئے اکٹھی کر کے دی تھی۔ مسلمان عورتوں نے اپنے زیورات تک اتار کر اس فنڈ میں دیئے تھے لیکن یہ مقدمہ ہار گئے اور غازی علم الدّین کو پھانسی ہو گئی۔

مسٹر جناح اس وقت کوئی راسخ العقیدہ مسلمان کی حیثیت سے نہیں آئے تھے، وہ صرف اور صرف ایک پیشہ ور قابل وکیل کے طور پر آئے تھے۔ لہذا ان کا فیس وغیرہ لینا کسی تعجب کا باعث نہیں تھا۔ یہ ۲۸۔ ۱۹۲۷ء کی بات ہے، اس زمانے میں تیرہ ہزار روپیہ بڑی اہمیت رکھتا تھا، آجکل کے اعتبار سے تیرہ کروڑ کے برابر تھا، یہی بات ان کے مہنگا ترین وکیل ہونے کی علامت تھی۔ چونکہ پوری قوم نے اس فیس کے لئے چندہ دیا تھا، گھر گھر چندے کے لئے جھولی پھیلائی گئی تھی، اس لئے قوم کے دل میں بھی یہ خواہش پیدا ہوئی کہ اس وکیل کا دیدار کرایا جائے جو اس اہم مقدمے میں اتنی بھاری فیس لینے والا ہے۔ چنانچہ طے ہوا کہ بادشاہی مسجد لاہور میں اس وکیل صاحب کو بلایا جائے اور عوام اس کا دیدار کر لیں۔ ایک دن متعین کر کے منادی کرا دی گئی کہ غازی علم الدّین کا مقدمہ لڑنے والے وکیل مسٹر محمد علی جناح فلاں دن بادشاہی مسجد لاہور میں آ رہے ہیں، جو لوگ ان کا دیدار کرنا چاہیں وہ

بادشاہی مسجد میں وقت پر پہنچ جائیں۔ چنانچہ اس دن ہزاروں لوگ وکیل صاحب کا دیدار کرنے کے لئے وقت پر بادشاہی مسجد میں پہنچ گئے۔ یہ وہ دور تھا جب مجلس احرار اسلام وجود میں نہیں آئی تھی اور نہ ہی مسٹر جناح کا کوئی مخالف تھا، پنجاب کے مختلف شہروں سے لوگ لاہور آئے، لدھیانہ سے بھی کچھ لوگ دیدار کے لئے آئے۔ ان میں عبدالرحمٰن عرف مانا اور عبدالرحیم ملک بھی شامل تھے۔ ان میں عبدالرحمٰن عرف مانا کا ۱۹۸۵ء میں انتقال ہوا، اور عبدالرحیم صاحب کا ۱۹۹۰ء میں انتقال ہوا، عبدالرحیم ملک آخر تک مسلم لیگی رہے۔

یہ دونوں اکثر والد صاحبؒ کی مجلس میں آتے تھے، والد صاحب کی مجلسوں میں اکثر اس قسم کی باتوں کا ذکر ہوتا رہتا تھا، دونوں حضرات نے یہ بات مجھے خود بھی بتائی۔

کہ جب وکیل صاحب تشریف لائے تو وہ سوٹڈ بوٹڈ تھے، سر پہ انگریزی ہیٹ تھا، جب وہ شاہی مسجد میں داخل ہوئے تو جوتوں سمیت مسجد میں پاؤں رکھ دیا، اس پر لوگوں نے کہا کہ یہ مسجد ہے جوتے اتار کر داخل ہوں، چنانچہ جوتے اتار دیئے گئے۔ پھر ان وکیل صاحب کو مسجد کے ممبر پر بٹھا دیا گیا تا کہ لوگ ان کی زیارت کر سکیں۔ وکیل صاحب خاموش بیٹھے تھے عوام بھی ان کا دیدار کرتے رہے، وکیل صاحب کے لئے یہ بڑی بوریت کا مرحلہ تھا، انہوں نے اپنی بوریت دور کرنے کے لئے جیب سے سگار نکالا اور منہ میں دبایا ہی تھا کہ مجمع میں شور اٹھا کہ یہ مسجد ہے یہاں سگار پینا منع ہے، چنانچہ وکیل صاحب نے سگار جیب میں رکھ لیا۔

یہ ہمارے ملک کے بانی حضرت قائد اعظم کا سب سے پہلا عوامی تعارف تھا۔

میرے والد مولانا انیس الرحمٰن لدھیانویؒ فرمایا کرتے تھے

مسٹر جناح عقیدۃً آغا خانی تھے، اور آغا خانیوں کے ہاں عبادت گاہ کو مسجد نہیں بولا جاتا بلکہ جماعت خانہ کہا جاتا ہے، ہوسکتا ہے مسٹر جناح مسجد کے آداب سے اسی لئے واقفیت نہ رکھتے ہوں۔

اسی طرح فرماتے تھے

۳۶۔۱۹۳۵ء میں جب الیکشن ہونے کو آرہے تھے تو مسٹر جناح نے دیکھا کہ

مسلمانوں کی اکثریت سنی المسلک ہے، اس لئے انہیں عوامی سطح پر سنی طریقہ استعمال کرنا چاہیے، فرماتے تھے کہ یو پی کے مسلم لیگیوں نے محمد اشفاق خان نامی ایک مولوی صاحب مسٹر جناح کو نماز سکھانے کے لئے مقرر کر دیے تھے، انہوں نے ہی مسٹر جناح کو سنی عقیدہ کے مطاق نماز پڑھنی سکھائی، مسٹر جناح ایک دفعہ علی گڑھ یونیورسٹی میں خطاب کے لئے گئے، اسی دوران نماز کا وقت ہو گیا، نماز پڑھنے کے لئے مسجد میں گئے، مولوی اشفاق صاحب بھی ساتھ کھڑے تھے، جب دوسری رکعت میں سجدے سے اُٹھے تو مسٹر جناح نے مولوی اشفاق صاحب سے پوچھا ''اب کیا کرنا ہے؟''۔

اس بات کی تائید مشہور سندھی لیڈر رسول بخش پلیجو کے ایک انٹرویو سے ہوتی ہے، مسٹر جناح کی تعریف کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

محمد علی جناح متحدہ ہندوستان کے سب سے بڑے لیڈر تھے، دورِ غلامی میں ان سے بڑا لیڈر پیدا نہیں ہوا۔.....انہوں نے کہا کہ ۱۹۴۴ء میں پہلی مرتبہ قائداعظم سے اس وقت ہاتھ ملایا جب وہ حیدر آباد میں ان کے علاقے میں نماز پڑھنے کے لئے آئے، انہوں نے کہا کہ میں قائداعظم کے ساتھ نماز پڑھنے کے لئے کھڑا ہو گیا، مگر جب ہم سجدے میں گئے تو اس دوران قائداعظم نے اپنا سر اٹھایا اور ادھر اُدھر دیکھتے ہوئے انگریزی میں کہا ''او آئی ایم سوری، اللہ اکبر'' کہہ کر سجدے میں چلے گئے۔

(روزنامہ پاکستان لاہور، ۱۵ر نومبر ۱۹۹۷ء)

۱۹۰۶ء میں مسلم لیگ بنا کر تمام خیر خواہان انگریز کو جمع کیا گیا جس کا پہلا صدر آغا خان سوم مقرر ہوا، اور بعد میں انہی لوگوں نے پاکستان کی تحریک چلائی گئی، جو کہ کامیابی سے ہم کنار ہوئی۔ مسٹر جناح کی مذہبی تعلیمات سے واقفیت کا حال ہم نے بیان کر دیا ہے، اب دیکھنا یہ ہے کہ مسٹر جناح ایک مذہبی ریاست قائم کرنے کے لئے جن لوگوں کو ساتھ لے کر چلے تھے ان کا حال کیا تھا۔

۱۹۳۶ء میں جب ہندوستان میں پہلے عوامی الیکشن ہونے کو آ رہے تھے، اس وقت تک چند گنے چُنے لوگوں کے علاوہ پوری مسلم لیگ پر انگریز پرستوں کا قبضہ تھا، مسلم لیگ عوامی جماعت نہ تھی، ساری کارروائی کاغذی ہوتی تھی۔ مسٹر جناح جب مسلم لیگ کے صدر بنے تو انہوں نے علامہ

اقبال کی خواہش پر پنجاب کا دورہ کیا، اس دورے میں وہ یہ جائزہ لینا چاہتے تھے کہ اگر پنجاب میں مسلم لیگ الیکشن لڑے تو اس کے نتائج کیا نکلتے ہیں، اس سلسلہ میں انہوں نے پہلے تو پنجاب کے وزیر اعلیٰ سر فضل حسین سے ملاقات کی، سر فضل حسین نے مسٹر جناح کو پنجاب میں الیکشن لڑنے سے منع کیا، اس پر مسٹر جناح خاصے مایوس ہوئے۔ اس وقت پنجاب میں دو ہی طاقت ور گروپ تھے، حکومت کی طرف سے سر فضل حسین اور عوامی سطح پر مجلس احرار اسلام ہند، ڈاکٹر اقبال نے مسٹر جناح کو احراری لیڈروں سے ملنے کا مشورہ دیا۔ چنانچہ مسٹر جناح نے ڈاکٹر عبدالقوی لقمان مرحوم کے گھر مجلس احرار کے صدر رئیس الاحرار مولانا حبیب الرحمٰن لدھیانویؒ، چوہدری افضل حق مرحوم، اور مولانا مظہر علی اظہر سے ملاقات کی، مجلس احرار کے رہنماؤں نے مسٹر جناح کا حوصلہ بڑھایا اور کہا کہ سر فضل حسین سے صرف ہم ہی ٹکر لے سکتے ہیں، آپ مسلم لیگ کو عوامی جماعت بنائیں، آپ یہاں عوامی جلسہ کریں، جلسہ کرنے میں مسٹر جناح گھبرا رہے تھے، کیونکہ اس وقت کوئی بھی مسلم لیگی کھل کر جناح صاحب کا ساتھ دینے کو تیار نہیں تھا، مجلس احرار کے رہنماؤں نے مسٹر جناح سے کہا کہ آپ تقریر کے لئے تیار ہوں جلسہ کا انتظام ہم کریں گے۔ چنانچہ لاہور میں دہلی گیٹ کے باہر مسٹر جناح نے تاریخ میں پہلی بار عوام سے خطاب کیا اور مجلس احرار کے رضا کاروں نے سول وردی میں اس جلسہ کی حفاظت کی۔ سر فضل حسین کو معلوم تھا کہ مسٹر جناح کے جلسہ کے پیچھے احراریوں کی طاقت ہے اس لئے وہ اس جلسہ کو رکوا نہ سکا، وہ انتہائی منتقم مزاج شخص تھا، اس نے مسٹر جناح کی پشت پناہی کرنے پر مجلس احرار کو تباہ کرنے کا پروگرام بنایا اور اس نے مسجد شہید گنج کا ملبہ مجلس احرار پر گرا دیا۔ بعد میں مسٹر جناح کا ساتھ دینے والے اس وقت بلوں میں گھسے بیٹھے تھے۔

مسٹر جناح اس جلسہ کی وجہ سے بہت خوش تھے، چنانچہ انہوں نے مجلس احرار کے ساتھ مل کر الیکشن لڑنے کا پروگرام بنایا اور ایک مشترکہ مسلم پارلیمنٹری بورڈ تشکیل دیا گیا۔ مسلم لیگ میں چونکہ بڑے بڑے سرمایہ دار، جاگیر دار انگریز کے زلہ خوار موجود تھے، ان کو یہ اچھا نہ لگا کہ درویشوں، فاقہ مستوں، غریبوں، اور آزادی کی خاطر جاں سے گزر جانے والے لوگوں کو ساتھ لے کر ہم الیکشن لڑیں۔

برکت علی ہال میں احرار اور مسلم لیگ کا ایک اجلاس رکھا گیا، اس کا وقت شام چار بجے رکھا گیا، اور ساتھ کہا گیا کہ وقت کا خیال رکھا جائے۔ چنانچہ جب چار بجے احراری رہنما برکت علی ہال پہنچے

تو دیکھا کہ مسلم لیگی زعماء ہال سے باہر آ رہے ہیں، ان سے پوچھا گیا کہ چار بجے تو اجلاس کا وقت ہے تو کہا گیا کہ پانچ بج چکے ہیں اجلاس کا وقت ختم ہو گیا ہے۔ احراریوں نے اپنی گھڑیاں دیکھیں تو ان پر چار ہی بجے تھے مگر جب ہال میں لگے ہوئے کلاک پر نظر ڈالی تو دیکھا کہ اس کی سوئی کو ایک گھنٹہ آگے کر کے پانچ بجا دیئے گئے ہیں، تو سب کی سمجھ میں بات آ گئی، پوچھا کارروائی کیا ہوئی، کیا فیصلہ ہوا؟ تو بتایا گیا کہ الیکشن کے اخراجات کے لئے ہر امیدوار کو ساڑھے سات سو روپیہ جمع کرانا ہو گا۔ احراری غریب تھے اس دور میں یہ ایک بہت بڑی رقم سمجھی جاتی تھی وہ ان اخراجات کے متحمل نہیں ہو سکتے تھے، سمجھ گئے کہ مسلم لیگ کے ذمہ داروں نے احرار کو علیحدہ کرنے کا پروگرام بنا لیا ہے۔ اس پر مولانا مظہر علی اظہر نے مسٹر جناح کو خط لکھا اس میں یہ لکھا کہ ''آپ ان کھوٹے سکوں کو ساتھ لے کر آزادی کی جنگ لڑنے چلے ہیں''۔ مسٹر جناح خط ملتے ہی لاہور تشریف لائے، انہیں اپنے ان ساتھیوں کی طفلانہ حرکت پر افسوس تھا، احرار زعماء کو یہ کہہ کر اُٹھ گئے کہ میں ان لوگوں سے ابھی دریافت کرتا ہوں کہ انہوں نے ابتداء ہی میں ایسی بدمزگی کیوں پیدا کی۔ دوسرے دن مسٹر جناح تشریف لائے تو فرمانے لگے ''میں چاہتا تھا کہ آپ بھی میرے ساتھی بنیں، مگر جب میرے بعض ساتھی آپ کے ساتھ نہ چل سکیں تو کیا کیا جائے؟ بہر حال یہ لوگ جیسے بھی ہیں مجھے انہی کو ساتھ لے کر چلنا ہو گا۔

اسی طرح ایک دفعہ رئیس الاحرار مولانا حبیب الرحمٰن لدھیانویؒ کو مسٹر جناح نے دہلی میں اپنی رہائش گاہ پر ملاقات کے لئے بلایا، دوران ملاقات مسٹر جناح نے رئیس الاحرارؒ کو بازو سے پکڑ کر فرمایا ''مولانا میرا ساتھ دیجئے پھر دیکھیے میں کیا کرتا ہوں'' رئیس الاحرارؒ نے برجستہ کہا ''مسٹر جناح سیاست میں کسی پر سولہ آنے (سو فیصد) یقین کرنا سیاسی عدم تدبر کا ثبوت ہے، آپ نے مجھے بازو سے پکڑا ہے آپ چھوڑ تو نہیں دیں گے؟ آپ کے موجودہ ساتھی ہمیں برداشت کر لیں گے؟ آپ اچھی طرح سوچ لیں۔ اس پر مسٹر جناح نے کہا کہ میں اپنے ساتھیوں کو نہیں چھوڑ سکتا، تو رئیس الاحرارؒ نے فرمایا کہ پھر ہم آپ کے ساتھ نہیں چل سکتے۔

اسی طرح رئیس الاحرارؒ جب پانچ سالہ قید سے رہا ہو کر شملہ کانفرنس میں شرکت کے لئے شملہ پہنچے تو انہوں نے ایک جگہ دیکھا کہ قائداعظم پاکستان مسٹر محمد علی جناح اور گاندھی جی ایک گوشے میں ایک ہی صوفے پر بیٹھے ہوئے کچھ راز و نیاز کر رہے ہیں، رئیس الاحرارؒ اس طرف گئے تو دونوں ایک

دم چوکنّے ہو گئے، گاندھی جی نے مسکراتے ہوئے رئیس الاحرارؒ سے پوچھا کہ مولوی جی کیا سمجھے؟ رئیس لاحرارؒ نے فوراً کہا ''دو کامیاب ہم وطن وکیل ملک کو تقسیم کرنے کی سازش کر رہے ہیں'' گاندھی نے کہا کہ مولوی جی! یہ آپ کیسے سمجھے؟ تو فرمایا کہ آپ دونوں وکیل ہیں، وکیلوں کا موضوع عدالتوں میں حقوق کے نام پر تقسیم ہی ہے۔ (یہ یاد رہے کہ گاندھی اور جناح وکیل ہونے کے ساتھ ساتھ ہندوستان کے ایک ہی صوبہ گجرات کے رہنے والے تھے)۔

یہ کوئی ایک دفعہ نہیں ہوا بلکہ متعدد بار ایسا ہوتا رہا، مسٹر جناح کے ساتھیوں کی کہہ مکرنیاں اگر کسی نے معلوم کرنی ہوں تو ماسٹر تاج الدین انصاری مرحوم، شورش کاشمیری مرحوم، جانباز مرزا مرحوم اور مولانا عزیز الرحمٰن جامعی مرحوم کی کتابیں پڑھیں۔ یہ تمام باتیں انہی میں سے لی گئی ہیں۔

مسلم لیگی ورکروں کی جس انداز سے تربیت کی گئی تھی وہ بھی بڑی عجیب تھی، ان کو یہی سکھلایا گیا تھا کہ جو بھی شخص مسلم لیگ کے نظریہ کے خلاف ہو اس کی توہین کرنا تمہارا فرض ہے، وہ چاہے عالم دین نیک پاکباز بزرگ ہی کیوں نہ ہو۔ مسلم لیگ کے سٹیج سے مسلسل علماء کو ہدف تنقید بنایا جاتا تھا، ان کی تضحیک کی جاتی تھی، اور جب ان کو ضرورت پڑتی تو اپنے حق میں علماء سے فتوے لینے کے لئے دوڑ پڑتے تھے۔ یہاں تک کہ حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ جیسے مسلم لیگ کے حامی بھی بلبلا اُٹھے۔ جن کے متعلق بانیٔ پاکستان مسٹر محمد علی جناح نے فرمایا تھا کہ ''حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ جیسے بڑے عالم کے بعد اب مجھے کسی عالم کی حمایت کی ضرورت نہیں''۔ ۱۹۳۹ء میں امرتسر میں ایک ضمنی الیکشن ہو رہا تھا، اس الیکشن میں مجلس احرار اور مسلم لیگ کے امیدوار کے درمیان مقابلہ تھا، اس وقت احرار کے مقابلے میں مسلم لیگ اور یونینسٹ پارٹی کا گٹھ جوڑ ہو چکا تھا۔ یونینسٹ پارٹی کی اس وقت پنجاب میں حکومت تھی، اس کا وزیر اعلیٰ سکندر حیات ٹوانہ تھا، اس نے حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ کو مسلم لیگی امیدوار کی حمایت میں فتویٰ دینے کے لئے خط لکھا، تو حضرت تھانویؒ نے اس کا کیا جواب دیا، ملاحظہ کیجئے۔

> احقر تو مسلم لیگ کا ہمیشہ حامی ہے، اور وہ حمایت الحمدللہ کہ کسی غرض کی وجہ سے نہیں ہے، بلکہ مسلمانوں کی دنیوی اصلاح میں اس وقت مسلم لیگ ہی میں شامل ہونے میں سمجھ رہا ہو، اور کانگریس میں داخل ہونے میں دینی و دنیوی دونوں کا نقصان خیال کرتا

ہوں...... میں نے آل انڈیا مسلم لیگ کے جلسہ پٹنہ میں ایک پیغام بھیجا تھا جو وہاں پڑھا بھی گیا، اور سب حضرات کو تقسیم بھی کیا گیا۔ اس میں صرف دو چیزوں کی طرف میں نے توجہ دلائی تھی۔ اوّل نماز کی پابندی کو لیگ کے مقاصد میں شامل کیا جاوے۔ دوسرے وضع اسلامی کو لیگ کے ہر ممبر پر لازمی قرار دیا جائے...... لیکن افسوس کہ حضرات لیگ نے ان دونوں باتوں کی طرف کوئی توجہ نہ فرمائی۔ اگر ان باتوں کی طرف توجہ فرماتے تو دین کی اور باتیں جو ترقیٔ دنیا میں بھی مؤثر ہیں میں اور بتلاتا، مگر مجھے واقعی حضرات لیگ سے یہ شکایت ہے کہ ''مولویوں کو صرف الیکشن کے وقت پوچھا جاتا ہے، اور پھر ان کی بات کی طرف کوئی کان نہیں دھرتا۔ ہم اگر ذاتی منافع کے لئے کچھ لکھیں تو بے شک نہ مانیے، لیکن اگر ان حضرات کو ہم پر اعتماد ہے اور یہ سمجھا جاتا ہے کہ ہم فتویٰ صحیح دیتے ہیں تو کیا وجہ ہے کہ وہ الیکشن ہی کے لئے صحیح ہوتا ہے دوسرے وقت وہ قابل عمل نہیں ہوتا''۔ میری غرض لیگ کی حمایت سے یہی تھی کہ اس میں بحمد اللہ سمجھدار عالی دماغ مسلمان ہیں۔ تو ان حضرات سے جب دینداری کے لئے کہا جاوے گا تو بہت جلد مان لیا جاوے گا، لیگ کی حمایت دین کی حمایت تھی اور جب میں دیکھتا ہوں کہ اصل چیز یعنی دین ہی سے بے تعلقی اور بے توجہی ہے تو بجز خاموشی کے اور کیا کروں۔...... اب دو نئی چیزیں پیدا ہوئی ہیں، جن سے میں بہت پریشان ہوں۔ ایک تو لیگ کا علامہ مشرقی سے تعلق اور دوسرا ذمہ دارانِ لیگ کا علماء کے وقار اور ''مُلّا ازم'' کے برباد کرنے کی ترغیب...... لیگ والوں کا بلا استثناء کے علماء کے وقار کو تباہ کرنے کی ترغیب دینا ہے۔ اگر کانگرسی علماء سے بچایا جاتا تو یہی سمجھا جاتا کہ اختلاف مسلک کی وجہ سے کیا جاتا ہے، مگر بلا کسی استثناء کے علماء کے اثر کو مٹانے کی سعی کے معنی تو مذہب کو مٹانے کی سعی کرنا ہے۔ اور جو جماعت دین کو مٹانے کی فکر میں ہو آپ ہی انصاف فرماویں کہ اس سے میں کہاں تک تعاون کر سکتا ہوں۔ (تلخیص سیرت اشرف، جلد۲، صفحہ ۲۵۴ تا ۲۵۶)

حضرت تھانویؒ کی شخصیت وہ ہے جنہوں نے تمام علماء کے سیاسی مسلک سے ہٹ کر مسلم لیگ کی حمایت کی، جس کی وجہ سے انہیں بڑی مشکلات کا بھی سامنا کرنا پڑا۔ انہوں نے عام مسلم لیگی

ورکروں کا ذکر نہیں کیا بلکہ مسلم لیگ کے ذمہ دار لوگوں کو ہدف تنقید بنا کر ان کے سیاسی اور اخلاقی پستی کا احتجاجی انداز میں ذکر کر دیا ہے۔

اسی طرح مسلم لیگیوں نے مولانا ابوالکلام آزادؒ اور شیخ الاسلام حضرت مولانا حسین احمد مدنیؒ کے ساتھ جو سلوک کیا وہ بیان کرتے ہوئے پیشانی عرق آلود ہو جاتی ہے۔اس کے متعلق ہم رئیس الاحرار مولانا حبیب الرحمٰن لدھیانویؒ کا ایک مکتوب بنام مسٹر جناح اسی شمارہ میں اداریہ کے بعد شائع کررہے ہیں،اس سے ساری حقیقت واضح ہو جائے گی۔

آخر میں بانئ پاکستان مسٹر محمد علی جناح کے اس حلف کی عبارت کو یہاں پر ذکر کر دینا مناسب سمجھتے ہیں جو انہوں نے آزادی کے نام پر بطور گورنر جنرل پاکستان اٹھایا تھا۔

''میں محمد علی جناح قانون کے مطابق قائم ہونے والے پاکستان اور دستور حکومت سے سچی ع یدت اور وفاداری کا عہد مصمم کرتا ہوں،اور میں پاکستان کے بطور گورنر جنرل کی حیثیت سے شہنشاہ جارج ششم اور ان کے ولی عہدوں اور ان کے جانشینون کی وفادار رہوں گا''(روزنامہ پاکستان لاہور''ہفتہ وار ایڈیشن تصویر پاکستان''صفحہ ۱۱ ،۱۳راگست ۱۹۹۳ء)

آخر میں یہ بات واضح کرنا ضروری ہے کہ اس کالم کا مقصد مسٹر جناح کی توہین کرنا نہیں بلکہ ان لوگوں کو آئینہ دکھانا ہے جو لوگ مسٹر جناح کو چڑھا کر اللہ تعالیٰ کی وحدت میں شریک کرنے پر تُلے رہتے ہیں۔

بنت امیرِ شریعت کی رحلت

تاریخ کی ایک مخفی یادگار بھی اس جہان فانی سے رخصت ہوگئی،امیر شریعت کی لخت جگر ام کفیل اپنے عظیم والد کے پہلو میں جا سوئی۔بیٹی کو باپ کے پہلو میں قرار آ ہی گیا۔ہر ایک نے دنیا سے جانا ہے،مرد ہو یا عورت،اس کا آخری ٹھکانہ یہی قبر ہے۔بات صرف اتنی سی ہے کہ جانے والا کیسی عمر بتا گیا،سیدہ ام کفیل کی زندگی ایک ایسے مثالی ہے کہ ان سے ان کی جدّہ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کا سراپا نظروں میں گھوم جاتا ہے۔اتنے بڑے باپ کی بیٹی ہوتے ہوئے بھی کسی غیر محرم کی نگاہ ان پر نہ پڑی۔آجکل کے دور میں کتنی سید زادیاں ایسی ہیں جو کہ اپنا سراپا لوگوں کے سامنے کھولے پھرتی

ہیں۔اور اپنے آباؤ اجداد کی حیا و شرم کو کوچہ و بازار میں نیلام کرتی ہوئی نظر آتی ہیں، وہ چاہتیں تو اپنے والد کی شہرت کو کیش کرا سکتی تھیں۔

بنت امیر شریعتؒ نے ساری زندگی صبر و قناعت سے بسر کی۔ بانیٔ خیر المدارس حضرت مولانا خیر محمد جالندھریؒ نے مدرسہ کے اندر ہی اپنے مکان کے بالکل سامنے انہیں رہائش کے لئے جگہ دے رکھی تھی، دونوں گھروں کے دروازے آمنے سامنے تھے۔ یہ ایک کچا گھر ہوتا تھا۔اسی کچے گھر میں انہوں نے اپنی بیشتر عمر گذار دی، اپنی اولاد کی اُسی کچے گھر میں پرورش اور تربیت کی۔اتنے بڑے باپ کی بیٹی ہونے کے باوجود ان میں تکبر جیسی شئے نہیں پائی گئی۔ان کے جوان بیٹے ذوالکفل مرحوم کا حادثہ ہوا تو وہ صبر کی پیکر بنی رہیں۔

امیر شریعتؒ اور رئیس الاحرار حضرت مولانا حبیب الرحمٰن لدھیانویؒ کا آپس میں گہرا تعلق تھا ،وہ یک جان دو قالب تھے،اس تعلق کے بارے میں اگر لکھا جائے تو ایک ضخیم کتاب بن سکتی ہے۔

پھر یہ تعلق اولاد میں میرے والد حضرت مولانا انیس الرحمٰن لدھیانویؒ اور جانشین امیر شریعت حضرت مولانا حافظ عطاء المنعم المعرف ابوذر بخاریؒ کے ذریعہ زندگی بھر رہا۔یہی وجہ ہے کہ امیر شریعتؒ کے انتقال کے بعد مولانا انیس الرحمٰن لدھیانویؒ نے حافظ صاحب کو جانشین امیر شریعتؒ جانشین بنانے میں کوشش فرمائی، حضرت مولانا خیر محمد جالندھریؒ اور دوسرے بزرگان ملت کو اس بات پر آمادہ کیا۔اسی طرح مولانا انیس الرحمٰن لدھیانویؒ کی سفارش پر حضرت مولانا شاہ عبدالقادر رائے پوریؒ نے مولانا حافظ عطاء المنعم شاہ صاحبؒ کو خلافت عطاء فرمائی۔اس وقت حضرت رائے پوریؒ کے حلقہ میں یہ بات مشہور ہوگئی تھی ''جس طرح حضرت موسیٰ علیہ السلام نے حضرت ہارون علیہ السلام کے لئے اللہ تعالیٰ سے نبوت مانگی تھی اسی طرح مولانا انیس الرحمٰن نے حافظ عطاء المنعم کے لئے حضرت رائے پوریؒ سے خلافت حاصل کی۔

تقسیم ہند سے قبل اور بعد میں امیر شریعت اور ان کی اولاد کا ہمارے گھروں میں آنا رہا۔سیدہ مرحومہ کو اسی تعلق کی بنا پر میری والدہ سے بڑی محبت تھی،جب بھی میری والدہ ملتان خیر المدارس جاتیں تو دونوں والہانہ انداز سے ملتیں،میری اہلیہ پر ان کی بڑی شفقت تھی، انہوں نے میری اہلیہ پر شفقت کا سایہ رکھا۔۱۹۸۳ء میں ہم لوگ حج پر اکٹھے تھے،

دو دفعہ ہمارے گھر فیصل آباد بھی تشریف لائیں،میری اہلیہ سے یہی فرمایا کہ میں اپنے ہی گھر آئی ہوں۔اللہ تعالیٰ سیدہ مرحومہ کو اعلیٰ علیین میں جگہ عطا فرمائے،ان کی اولاد،ان کے بھائیوں کو صبر جمیل عطا فرمائے۔

مکاتیب رئیس الاحرارؒ سے

رئیس الاحرارؒ بنام بانیٔ پاکستان مسٹر محمد علی جناح مرحوم

ادار یہ میں رئیس الاحرار مولانا حبیب الرحمٰن لدھیانویؒ کا مسٹر جناح مرحوم کے نام جس مکتوب کا ذکر کیا گیا ہے اُسے یہاں شائع کیا جارہا ہے۔اس مکتوب میں مسلم لیگی ورکروں کی قیامِ پاکستان کے لئے کی گئی اخلاقی تربیت واضح ہوجاتی ہے۔

۱۰/ اکتوبر ۱۹۴۵ء

محترم جناب محمد علی جناح صاحب، صدر آل انڈیا مسلم لیگ

السلام علیکم ورحمۃ اللہ:

امید ہے کہ آپ خیریت سے ہونگے۔شملہ کانفرنس کے بعد آپ سے ملاقات نہ ہوسکی۔آپ کو معلوم ہے کہ تقریباً پانچ سال جیل میں گذارنے کے بعد میری بیماری میں شدت آ گئی ہے۔کچھ تو بیماری اور کچھ مصروفیت نے ایسا نڈھال کر دیا کہ میرا آپ سے رابطہ منقطع رہا۔اب کچھ پے در پے حادثات نے آپ کو خط لکھنے پر مجبور کر دیا ہے۔

مجھے آج کے اخبارات میں یہ پڑھ کر بہت دکھ ہوا ہے کہ سید پور میں حضرت مولانا حسین احمد مدنی صدر جمعیۃ علماء ہند پر مسلم لیگیوں نے حملہ کر دیا اوران کی پگڑی اُتار کر پھینکی۔مگر مولانا نے اپنے پیراؤں کو جو مسلم لیگیوں سے زیادہ تعداد میں تھے،اس کا جواب دینے سے روکے رکھا۔اس سے پہلے بھی اگست میں ایک ایسا ہی واقعہ حضرت مولانا ابوالکلام آزاد کے ساتھ علی گڑھ کے ریلوے اسٹیشن پر پیش آ چکا ہے۔

مسلم لیگ کے نوجوانوں نے نہ صرف ان کی بے عزتی کی بلکہ بعض ایسے بھی تھے جنہوں نے مولانا کے سامنے اپنی پتلونیں اُتار دیں،اور شرمگاہوں کا مظاہرہ کیا۔اس پر بھی مولانا آزاد نے اپنے رضا کاروں کو جواب دینے سے روکا۔اسی طرح ایک اور موقع پر جبکہ مولانا آزاد ابھی جیل میں تھے کہ ان کی اہلیہ کا انتقال

ہو گیا۔ کلکتہ میں یہ منظر بھی لوگوں نے دیکھا کہ اسلام کی ٹھیکیدار جماعت مسلم لیگ کے رضا کار لاٹھیاں لے کر کھڑے ہو گئے اور مسلمانوں کو ان کا جنازہ پڑھنے سے روکتے رہے اور کہتے رہے کہ وہ کافرہ تھی مرگئی، اس کا جنازہ جائز نہیں۔ میں یہ پوچھتا ہوں کہ اسلام کے نام پر سیاست کرنے والی جماعت نے ایسی گھٹیا حرکت کسی ہندو یا سکھ لیڈر کے سامنے بھی کی ہے؟۔ وہ صرف اس لئے نہیں کی گئی کیونکہ مسلم لیگ کے لیڈر اس کے جواب کی متحمل نہیں ہو سکتے۔

گذشتہ دنوں جب اخبارات میں مسلم لیگی لیڈروں کی طرف سے یہ خبر شائع ہوئی کہ وہ احرار کے مقابلے میں لاٹھی بردار رضار منظّم کریں گے، تو اس پر مجلس احرار کے سیکرٹری مولانا مظہر علی اظہر نے مجھے کہا تھا کہ ہمارے پاس لاہور میں مسلم لیگی لٹھ برداروں کے مقابلے میں دس ہزار کلہاڑیوں سے مسلح نوجوان موجود ہیں ، ہم اس کا جواب کلہاڑی سے دیں گے۔ میں نے سختی سے ان کو منع کیا اور کہا کہ ہم میں اور ان میں فرق مٹ جائے گا اور نقصان مسلمانوں کا ہی ہوگا۔

مجھے افسوس ہے کہ مسلم لیگ کے اپنے مخالفین سے برتاؤ کے ایسے طریقوں کے نتائج نہایت خطرناک ہونگے۔ یہ بات دیکھنے میں آ رہی ہے کہ علماء کی جتنی توہین مسلم لیگ کے سٹیج سے کی جا رہی ہے ایسی توہین کسی ہندو سٹیج سے نہیں ہو رہی۔ آپ اور نوابزادہ لیاقت علی خان کو میں مطلع کرتا ہوں کہ مسلم لیگیوں کے اس غنڈہ پن کو روکیں اور سید پور کے اس واقعہ کی پبلک طور پر مذمت کریں، ورنہ مسلم لیگیوں کی ایسی حرکات کے نتائج نہایت خطرناک ہونگے۔

ہم لوگوں نے کبھی مسلم لیگیوں سے دنگا و فساد کرنے کی کوشش نہیں کی۔ ہم نہیں چاہتے کہ جب آزادی کے لئے ہم غلامی کی آخری منزلوں کو چھوڑ رہے ہیں تو مسلمان دنیا کے سامنے باہم دست و گریبان ہوتے نظر آئیں۔ آپ لوگ تو جمہوریت کے قائل ہیں، دوسروں کو انکا نقطۂ نظر کہنے اور خود میں دوسرے کا نقطۂ نظر سننے کا حوصلہ پیدا کریں۔

والسلام،

خیر اندیش

حبیب الرحمٰن لدھیانوی

حبیب روڈ لدھیانہ

مولانا بٹالوی کی تاویلات کے رَدّ میں

جیسا کہ پہلے بھی ذکر کیا جاچکا ہے کہ علماء لدھیانہ نے جب مرزا غلام احمد قادیانی پر کفر کا فتویٰ دیا تھا تو اہل علم نے اس سے اختلاف کیا تھا، ان میں کچھ اہل علم نے جو اشکال اُٹھائے تھے وہ مرزا غلام احمد قادیانی سے عدم واقفیت کی بنا پر تھے، جن میں بڑی شخصیت حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ کی تھی ،اس کا جواب علماء لدھیانہ نے تفصیل سے دیدیا تھا، اس کے بعد یہ معاملہ دب گیا تھا۔ مگر کچھ حضرات ایسے تھے جو کہ مرزا غلام احمد قادیانی سے نہ صرف واقف تھے بلکہ اس کے تمام الہامات میں ممد و معاون بھی تھے، ان میں سرفہرست مکتب فکر اہل حدیث کے بانی مبانی مولانا محمد حسین بٹالوی کا نام نامی آتا ہے۔ مولانا بٹالوی کے پاس علماء لدھیانہ اور مولانا گنگوہیؒ کی بحث اور اس کا نتیجہ بھی سامنے آچکا تھا۔ اس کے باوجود بعد میں بٹالوی صاحب نے علماء لدھیانہ کے فتوے کے خلاف ''براہین احمدیہ پر ریویو'' کے عنوان سے بڑا مفصل مضمون لکھا۔ علما لدھیانہ بٹالوی صاحب کی سرشت کو جانتے تھے کیونکہ ان دنوں حنفی اور غیر مقلد کی چپقلش بہت زیادہ چل رہی تھی ، علماء لدھیانہ کو معلوم تھا کہ بٹالوی صاحب نہیں مانیں گے اس لئے بٹالوی صاحب کے ریویو کا جواب دینا مناسب نہیں سمجھا۔ اسی عرصہ میں مولانا بٹالوی کے رسالہ اشاعۃ السنۃ میں مرزا غلام احمد قادیانی کے الہامات کے حق اور علماء لدھیانہ کے فتوائے تکفیر کے جواب میں بٹالوی صاحب کے مضامین شائع ہو رہے تھے تو مولانا غلام دستگیر کی نظر سے بھی گذرے، تو مولانا غلام دستگیر قصوری نے ان پر گرفت کی۔ اس کے بعد مولانا غلام دستگیر قصوری نے بڑی تفصیل کے ساتھ مولانا محمد حسین بٹالوی کی ان تاویلات فاسدہ کی دلائل قاطعہ سے تردید کی ہے جو کہ بٹالوی صاحب نے مرزا غلام احمد قادیانی کی کتاب ''براہین احمدیہ'' پر علماء لدھیانہ کے فتویٰ کے جواب میں کیں تھیں۔ مولانا غلام دستگیر قصوری لکھتے ہیں:

اور یہ بھی معلوم ہو کہ براہین والے نے صفحہ ۵۲۰۔۵۲۱، میں اپنے الہام کا قصہ یوں لکھا ہے کہ: ''۱۸۶۸ء یا ۱۸۶۹ء میں ایک عجیب الہام اردو میں ہوا تھا جس کی تقریب یہ پیش آئی تھی کی مولوی ابوسعید محمد حسین بٹالوی جو کسی زمانہ میں اس عاجز (مرزا قادیانی) کے ہم مکتب بھی تھے جب نئے نئے مولوی ہو کر بٹالہ آئے اور بٹالیوں کو ان کے خیالات گراں گزرے تو تب ایک شخص نے مولوی صاحب ممدوح سے کسی اختلافی مسئلہ میں بحث کرنے کے لئے اس ناچیز کو بہت مجبور کیا۔ چنانچہ اس کے کہنے کہانے سے یہ عاجز شام کے وقت اس کے ہمراہ مولوی صاحب ممدوح کے مکان پر گیا اور مولوی صاحب کو مع ان کے والد مسجد میں پایا۔ پھر خلاصہ یہ کہ اس احقر نے مولوی صاحب موصوف کی اس وقت تقریر سن کر معلوم کر لیا کہ ان کی تقریر میں کوئی ایسی زیادتی نہیں کہ قابل اعتراض ہو۔ اسلئے خاص اللہ کے لئے بحث کو ترک کیا گیا۔ رات کو خداوند کریم نے اپنے الہام اور مخاطبت میں اسی ترک بحث کی طرف اشارہ فرمایا کہ تیرا خدا تیرے اس فعل سے راضی ہو اور وہ تجھے بہت برکت دے گا۔ یہاں تک کہ بادشاہ تک تیرے کپڑوں سے برکت ڈھونڈیں گے۔ پھر بعد اس کے عالم کشف میں دوبارہ بادشاہ دکھلائے گئے جو گھوڑوں پر سوار تھے۔'' انتہا بلفظہ!

اور یہ مولوی محمد حسینؒ شاگرد مولوی نذیر حسین دہلویؒ کے ہیں جو غیر مقلدوں کے رئیس اور ابتداء میں مقلدین سے سخت مکابرہ سے پیش آ کر ان کو مشرک جانتے تھے اور آئمہ مجتہدین دین کی تقلید کو شرک و کفر مانتے تھے۔ چنانچہ اس بارہ میں رسالے واشتہار چھپواتے رہے۔ پھر جب علماء مقلدین نے ان کے خیالات کی بواقعی تردید کی تو اس شدت مجادلہ سے کسی قدر لوٹے اور جب ان کے استاذ مولوی نذیر حسین دہلویؒ بسبب ظاہر ہونے ان کی سخت مخالفت شرع کے واقعہ ۱۳۰۱ ہجری مکہ معظّمہ میں قید ہوئے تو اپنے استاذ کی نصرت کے واسطے یہ مولوی محمد حسین اہل حرمین محترمین کو ظالم مشہور کرنے لگے اور حکام وقت اس دیار کے پاس ان کا شکوہ شکایت کرنی شروع کر دی جیسا کہ رسالہ اشاعۃ السنۃ نمبر ۹ جلد ۷ کے ص ۶، ۵، ۲ وغیرہ سے ظاہر ہوتا ہے۔ پس ان مولوی محمد حسین

صاحب نے بھی گویا صاحب براہین والے کی تعریف کے شکریہ میں اپنے رسالہ اشاعت السنۃ میں ان کی اور ان کی براہین کی کمال تعریف کرنی شروع کر کے اخیر میں یہ لکھ دیا ہے ۔مؤلف براہین احمدیہ نے یہ منادی اکثر زمین پر دی ہے کہ جس شخص کو اسلام کی حقانیت میں شک ہو وہ ہمارے پاس آئے اور اس کی صداقت ہمارے الہامات وخوارق سے بچشم خود دیکھے۔ پھر کیا اس احسان کے بدلے مسلمانوں پر یہ حق نہیں ہے کہ فی کس نہ سہی فی گھر ایک ایک نسخہ کتاب اس کی ادنیٰ قیمت دے کر خرید کریں اور اس پر یہ شعر پڑھیں:

جمادی چند دام جاں خریدم

بحمد اللہ ! عجب ارزان خریدم

انتہاء حاشیہ میں ادنیٰ قیمت ۲۵ روپے درج ہے۔جیسا کہ ص ۳۴۸ نمبر ۱۱ جلد ۷ا اشاعۃ السنۃ ذی قعدہ وذی الحجہ ۱۳۰۱ھ اور محرم ۱۳۰۲ھ سے یہ عبارت منقول ہوئی ہے اور ان رسائل میں صاحب اشاعت السنۃ نے براہین والے کے کلام کی تاویلات فاسدہ سے بہت ہی تائید کی ہے۔

جس کا حاصل یہ ہے کہ آیات قرآنی جب آنحضرت ﷺ یا دوسرے انبیاء علیم السلام کے خطاب میں نازل ہوئی تھیں تو ان کا نام قرآن تھا اور جب انہیں بعینہ آیات سے اللہ نے غیر انبیاء کو مثل صاحب براہین کے مخاطب فرمایا تو اس کا نام قرآن نہیں رکھا جاتا، اور غرض اس ہذیان سے صاحب براہین کا تحریف قرآن اور الحاد آیات فرقان سے بچانا ہے۔ پھر صاف صاف اس قبیح مضمون کو اشاعت السنہ مذکورہ بالا کے صفحہ ۲۶۳۔۲۶۴،۲۶۵،۲۶۶۔ میں لکھا ہے جس کے قول کو فقیر راقم الحروف نقل کر کے قرآن وحدیث واجماع کی سند سے تردید کرتا ہے تا کہ قرآن مبین اور دین متین کی تائید سے کوئی دقیقہ فروگزار نہ رہے۔ربنا تقبل منا انك انت السميع العليم !''اور ایک ہی کلام کو ایک ہی وقت میں مخاطب یا متکلم یا متکلم کے لحاظ سے قرآن اور غیر قرآن کہنا اہل علم کے نزدیک مستعبد اور محل اعتراض نہیں ہے۔'' انتہا بلفظہ !

فقیر کہتا ہے کہ اس پر تین اعتراض وارد ہیں ۔ پہلا یہ کہ مخاطب یا متکلم کا

اختلاف ایک ہی کلام میں ایک ہی وقت میں غیر متصور ہے۔اس لئے کہ پہلے متکلم نے جب کچھ کلام کی تو صرف اس کے بولنے سے وہ وقت گزر گیا پھر دوسرے متکلم کا اسی کلام کو اسی وقت بولنا کیونکر متصور ہوا؟۔اور ایسا ہی حال ہے باعتبار مخالف کے جیسا کہ اہل علم پر ظاہر ہے۔دوسرا یہ کہ اختلاف متکلم یا مخاطب کا کلام واحد (وقت واحد) میں اگر مانا جائے تو ایک ہی کلام کا ایک ہی وقت میں قرآن میں اور غیر قرآن نام رکھنا غیر ممکن ہے۔اس لئے کہ اثبات شے اور پھر نفی اس کی ایک ہی وقت میں عقلا ناجائز ہے۔تیسرا یہ کہ قرآن مجید ازل سے ابد تک قرآن ہے۔پس اس کو غیر قرآن کہنا شرعاً ناروا ہے اسلئے کہ اللہ تعالیٰ نے آیات فرقانی کا نام قرآن رکھا ہے۔جیسا کہ سورۃ زمر میں اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید کی طرف اشارہ فرما کے قرآن عربی اس کا نام رکھا۔پس جس نے ان آیات بعینھا کو غیر قرآن کہا بے شک قرآن کا مخالف ہوا۔

قولہ! کبھی ایک کلام جبکہ اس کا متکلم مثلا خدائے تعالیٰ ٹھہرایا جائے کلام رحمانی کہلاتا ہے۔کبھی وہی کلام جبکہ اس کا متکلم شیطان یا فرعون ٹھہرایا جائے۔شیطانی یا فرعونی کلام کہلاتا ہے اس کہ تمثیل میں ہم دو کلام قرآن سے پیش کرتے ہیں۔قرآن میں ایک کلام ابلیس سے منقول ہے:''انا خیر منہ خلقتنی من نار و خلقتہ من طین'' اور ایک کلام یہ فرعون سے:''انا ربکم الاعلیٰ'' جبکہ کلام فرعون ٹھہرایا جائے۔خواہ وہ کسی زبان میں ہو قرآن نہیں کہلاتا۔'' انتہا بلفظہ! فقیر کہتا ہے کہ متکلم کے اختلاف سے کلام مختلف نہیں ہوتی ہے۔کیونکہ اسی کا کہلاتا ہے جس نے اوّل بولا ہو۔دیکھو جو شخص:'' الحمدللہ رب العالمین ''اور:'' قل ھو اللہ احد ''پڑھے تو یہ تو نہ کہا جائے گا کہ یہ کلام اسکا ہے۔بلکہ ہر مومن کہے گا کہ یہ دونوں آیتیں باری تعالیٰ کے کلام ہیں اور جو:'' انما الاعمال بالنیات '' کہے گا تو یہی کہا جائے گا کہ یہ سرور عالم ﷺ کی حدیث ہے۔ اور جو:'' قفانبك من ذکری حبیب و منزلھا '' زباں پر لائے گا تو کہیں گے کہ یہ مصرع امراء القیس کے شعر کا ہے جیسا کہ ملا علی قاری نے شرح فقہ اکبر میں لکھا ہے۔پس قرآن مجید کی آیات کو غیر خدا کی طرف منسوب کرنا اور کلام شیطانی و فرعونی کہنا علم والے

مؤمن کا کام نہیں۔ بلکہ سچا مؤمن اس کے مقابلہ میں یوں کہے گا کہ خدا پاک ہے یہ سخت بہتان ہے۔ کیونکہ جو کچھ قرآن میں الحمدللہ سے والناس تک ہے وہ حق تعالیٰ کا ہی کلام ہے اور زمین وآسمان اور ارواح کے پیدا ہونے سے پہلے سے لوح محفوظ میں لکھی گئی تھی جس کو جبرائیل امین نے آنحضرت ﷺ پر اُتارا ہے۔ جیسا کہ خود قرآن مجید میں سورۃ البروج کی اخیر ہے جس کا ترجمہ یہ ہے کہ: ’’بلکہ وہ قرآن مجید ہے لوح محفوظ میں لکھا ہو۔‘‘ تفسیر فتح العزیز میں لکھتے ہیں۔ بلکہ وہ قصہ قرآن کریم کا ایسا ہے جو اس کے وقوع سے پہلے لوح محفوظ میں لکھا گیا ہے جس پر شیطانوں اور جنوں اور آدمیوں کو دسترس نہیں ہے۔ امام بغوی نے تفسیر معالم میں اسناد کے ساتھ حضرت ابن عباسؓ سے روایت کی ہے کہ لوح محفوظ ایک تختی ہے سفید موتی سی جس کہ لمبائی آسمان وزمین کے درمیان کے برابر ہے اور چوڑائی اس کی مشرق سے مغرب تک کی ہے اور کنارے اس کے موتی اور یاقوت کے ہیں اور دفتر یئے اس کے سرخ یاقوت کے ہیں۔ نور کی قلم سے اس میں قرآن لکھا ہے۔ اوپر سے عرش مجید سے لٹکی ہے اور نیچے سے فرشتہ کی گود میں ہے۔ یہ ترجمہ ہے عبارت تفسیر فتح العزیز کا اور مدارک وجلالین وغیرہما میں بھی ایسا ہی لکھا ہے۔ لیکن امام سیوطیؒ نے تفسیر اتقان میں بسند طبرانی حضرت ابن عباسؓ سے اس حدیث کو مرفوع روایت کیا ہے۔ تھوڑے سے تفاوت کے ساتھ اور نیز حق تعالیٰ نے فرمایا ہے۔ یا محمد ﷺ قرآن کے ساتھ اپنی زبان مت ہلا۔ تا کہ جلدی سے اسے یاد کر لے اور تھے آنحضرت ﷺ کہ شروع کرتے تھے پڑھنا آیات قرآن کا حضرت جبرائیل علیہ السلام کی فراغت سے پہلے اسلئے کہ کچھ بھول نہ جائے۔ پس آپ ﷺ کو کہا گیا کہ مت ہلا اپنی زبان کو وحی کے پڑھنے میں۔ جب تک جبرائیل پڑھتا رہے، تا کہ تو جلدی یاد کر لے اسے اور کچھ فرو گذاشت نہ ہو جائے۔ پھر اس جلدی سے روکنے کی یہ وجہ بیان فرمائی کہ بے شک ہمارا ذمہ ہے قرآن کا جمع کرنا تیرے سینے میں اور اس کا یاد کرانا تیری زبان پر اور مت جلدی کر قرآن کے پڑھنے میں اس کی وحی ختم ہونے سے پہلے۔ پس جب ہم پڑھیں قرآن کو یعنی جبرائیل تجھ پر پڑھے تو اس کے پڑھنے کی متابعت کر پھر ہمارے ذمہ ہے اس کا بیان کرنا جب تجھ پر

اس کے معنی میں کچھ مشکل پڑ جائے ۔ یہ ترجمہ ہے عبارت تفسیر مدارک کا اور اکثر تفاسیر میں ایسا ہی ہے۔ پھر پہلی آیت جو آپ ﷺ پر نازل ہوئی قرآن مجید سے وہ بالاتفاق ابتداء سورۃ علق کا ہے۔ مالم یعلم تک تفسیر فتح العزیز میں ہے کہ آنحضرت علیہ السلام ایک دن غسل کے واسطے غارِ حرا سے باہر تشریف لا کر پانی کے کنارے پر کھڑے ہوئے کہ جبرائیل امینؑ نے ہوا سے پکارا کہ یا محمد ﷺ پس آنحضرت ﷺ نے اوپر کو دیکھا تو کوئی نظر نہ آیا، پس تین مرتبہ آپ ﷺ کو پکارا گیا اور آپ ﷺ دائیں بائیں دیکھ رہے تھے کہ ایک سورج کی طرح نورانی شخص آدمی کی شکل میں دیکھا جس کے سر پر نور کا تاج ہے اور سبز ریشمی پوشاک پہنی ہوئی ہے۔ آپ ﷺ کے پاس آ کر کہا پڑھ اور بعض روایتوں میں ہے کہ جبرائیل امینؑ نے سبز دریائی کے قطعہ میں کچھ لکھا ہوا آپ ﷺ کو دیا کہا پڑھو ،آپ ﷺ نے اس کو دیکھ کر فرمایا مجھے حرفوں کی شناس نہیں اور ان پڑھ ہوں ۔ اخیر حدیث تک یہ ترجمہ ہے ۔ عبارت تفسیر عزیزی کا ۔ اور ملا علی قاریؒ شرح فقہ اکبر کے ملحقات میں لکھتے ہیں کہ شارح عقیدہ طحاویہ نے شیخ حافظ الدین نسفی کی منار سے ذکر کیا ہے کہ قرآن نام ہے نظم اور معنی دونوں کا اور ایسا ہی دوسرے اصول والوں نے کہا ہے اور امام اعظمؒ کی طرف جو منسوب کرتے ہیں کہ جس نے نماز میں قرآن کا ترجمہ فارسی میں پڑھا تو روا ہے تو آپ کا اس سے رجوع ثابت ہے۔ چنانچہ آپ نے فرمایا ہے کہ باوجود قدرت عربی کے غیر عربی روا نہیں ہے اور یہ اسلئے بھی آپ نے کہا کہ جو شخص بغیر عربی کے قرأت پڑھتا ہے یا تو وہ دیوانہ ہے معالجہ کیا جائے یا زندیق ہے قتل کیا جائے۔ اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے عربی میں کلام کی ہے اور معجزہ ہونا قرآ کا نظم اور معنی دونوں سے حاصل ہے۔ یہ ترجمہ ہے عبارت شرح فقہ اکبر کا۔ پس قرآن وحدیث اور کتب عقائد اہل سنت سے متحقق ہوا کہ تمام عربی آیات جن کا نام قرآن ہے وہ آنحضرت ﷺ پر نازل ہوئیں ہیں اور انہیں حروف وکلمات سے لوحِ محفوظ میں لکھی ہوئی تھیں ۔ حضرت امام اعظمؒ فقہ اکبر میں اور علامہ قاریؒ اس کی شرح میں لکھتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں حضرت موسیٰؑ اور دوسرے انبیاء علی نبینا وعلیہم السلام سے بطور اخبار یا حکایت کے جو ذکر کیا ہے۔

اور فرعون وشیطان وغیرہ سے بھی جو بیان کیا ہے بے شک یہ دونوں قسم سب کے سب اللہ تعالیٰ کے کلام قدیم ہیں جن میں ان کو خبر دی گئی ہے۔ یعنی موافق اس کے جو کلمات معانی پہ دلالت کرنے والی لوح محفوظ میں لکھے گئے ہیں۔ آسمان و زمین اور ارواح کے پیدا کرنے سے پہلے کی۔ نہ یہ کہ حضرت موسیٰ وعیسیٰؑ وغیرہ انبیاء علیہم السلام سے اور فرعون وشیطان اور دوسرے کفار سے سن کر اللہ تعالیٰ نے ان سے نقل کی ہے۔

پس اب کچھ فرق نہیں ہے درمیان خبر دینے حق تعالیٰ کے ان کے اخبار واحوال اوسرار سے جیسا کہ سورۃ: '' تبت یدا '' وآیت قتال وغیرہ میں ہے نہ درمیان ظاہر فرمانے باری تعالیٰ کے اپنی صفات وافعال وخلق مصنوعات میں جیسا کہ آیت الکرسی سورۃ اخلاص وغیرہ میں ہے اور نہ درمیان آیات افاقیہ اور انفسیہ کے۔ کہ یہ سب کے سب باری تعالیٰ کے کلام ہیں اور اس کی صفت پاک، حاصل الکلام، کلام اللہ شریف حادث نہیں غیر مخلوق ہے اور موسیٰ علیہ السلام کا کلام اگر چہ حق تعالیٰ کے ساتھ ہوا اور ایسا ہی کلام دوسرے انبیاء ومرسلین صلواۃ اللہ علیہم اجمعین وملائیکہ مقربین کی مخلوق ہے جو ان کی پیدائش کے بعد حادث ہوئی اور قرآن حقیقتاً اللہ تعالیٰ کا کلام نہ مجازاً اور اللہ تعالیٰ کی ذات کی طرح قدیم ہے مخلوق کے کلام کہ طرح نہیں کیونکہ ان کی ذات اور کلام دونوں حادث ہیں۔ اسلئے کہ صفت موصوف کے تابع ہوتی ہے اور یوں ہی کہا جائے گا کہ نظم عبرانی جو توریت ہے اور نظم عربی جو قرآن ہے وہ اللہ تعالیٰ کا کلام ہے۔ اس لئے کہ ان کے کلمات وآیات کلامِ الٰہی کی دلیلیں اور علامات ہیں اور اس لئے کہ ان کی نظم کا ابتداء اللہ تعالیٰ سے ہی ہے۔ کیا تم نہیں دیکھتے کہ جب کوئی حدیث حدیثوں سے پڑھو گے تو یہی کہو گے کہ یہ جو میں نے پڑھا ہے اور ذکر کیا ہے میرا کلام نہیں بلکہ آنحضرت ﷺ کا کلام ہے۔ کیونکہ ابتداء اس کلام کی نظم کا رسول اکرم ﷺ ہی سے ہوا تھا اور اسی قبیل سے ہے جو خود اللہ تعالیٰ نے آیت: ''افتطمعون ان یومنؤ الکم'' اور آیت: ''وان احد من المشرکین'' میں قرآن مجید کو کلام اللہ فرمایا ہے یہ ترجمہ ہے عبارت شرح فقہ اکبر کا، اور مشکوٰۃ میں سنن دارمی وجامع ترمذی سے بروایت نعمان بن بشیرؓ لایا ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ

بے شک اللہ تعالیٰ نے زمین وآسمان کی پیدائش سے ایک ہزار برس پہلے سورۃ یٰسین وطٰہٰ کی تلاوت فرمائی تھی ۔ یہ ترجمہ ہے مشکوٰۃ کی حدیثوں کا۔اب قرآن مجید اور حدیث اور عقائد اہل سنت کی کتابوں سے بخوبی ظاہر ہوگیا کہ قرآن مجید کی ساری آیتیں اللہ تعالیٰ کا ہی کلام ہیں۔کسی مخلوق کے کلام کا کوئی اس میں دخل نہیں ہے اور جو کچھ اس میں نبیوں کے قصے اور صدیقوں کی باتیں اور کافروں کے حالات اور بدبختوں کے مقالات ہیں وہ سب کے سب اللہ تعالیٰ کے ہی کلام ہیں جو اس پاک ذات نے ان لوگوں کے پیدا ہونے سے پہلے بموجب اپنے علم ازلی کے ان سے خبر دی ہے۔

پس صاحب رسالہ اشاعۃ السنہ سے اوپر منقول ہو چکا ہے ۔قرآن مجید کی صدھا آیات کا انکار نہیں تو اور کیا ہے؟ اور جمیع قصص قرآنی اور حکایات فرقانی کو کلام مخلوق بنا دینا نہیں تو اور کیا ہے؟:''اعاذنا اللّٰہ سبحانہ و جمیع المسلمین عن ذالك'' ملا علی قاریؒ امام اعظمؒ کی فقہ اکبر کے اس قول کے نیچے کہ کلام اللہ شریف غیر مخلوق ہے لکھتے ہیں کہ کلام اللہ بالذات قدیم ہے۔اما طحاویؒ فرفاتے ہیں کہ جس نے قرآن مجید کو سن کر خیال کیا کہ یہ آدمی کا کلام ہے تو ضرور وہ کافر ہوا۔بے شک اللہ تعالیٰ نے اس کی مذمت فرمائی ہے اور اس کو عذاب دوزخ سے ڈرایا ہے۔یہ ترجمہ ہے عبارت شرح فقہ اکبر کا،اور یہ بھی اسی کتاب میں ہے کہ اگر کوئی اعتراض کرے کہ جو حق تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ قرآن رسول کریمؐ کی بات ہے۔اس نے دلالت کی کہ قرآن رسول کریم ﷺ کا کلام جبرائیل یا محمد ﷺ کا؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ لفظ رسول بتا رہا ہے کہ اس نے قرآن کو اپنے بھیجنے والے سے پہنچایا ہے۔اس لئے یوں نہیں فرمایا کہ یہ کلام فرشتہ یا نبی کا ہے۔پس ثابت ہوا اس سے کہ رسول نے اپنے بھیجنے والے یعنی حق تعالیٰ سے پہنچایا نہ کہ اس نے اپنی ذات سے یہ کلام پیدا کیا ہے۔دوسرا جواب یہ ہے کہ مراد رسول سے ایک آیت میں جبرائیل ہے اور دوسری آیت میں محمد ﷺ ہیں۔پس دونوں کی طرف سے اس کلام کی نسبت کرنے سے ظاہر ہو گیا کہ یہ نسبت صرف پہنچانے کے واسطے ہے۔کیونکہ ایک شخص نے جس کلام کو پیدا کیا ہو تو منع ہے کہ دوسرا اس کو پیدا کر سکے۔تیسرا جواب یہ ہے کہ بے شک حق تعالیٰ

نے قرآن کو آدمی کے کلام بنانے والے کی تکفیر کی ہے۔ پس جس نے قرآن کو آنحضرت ﷺ کا کلام بتایا کہ آپ ﷺ نے از خود یہ کلام بنایا ہے تو وہ کافر ہوا۔ اور اس میں کچھ فرق نہیں کہ قرآن کو آدمی کا یا جن کا یا فرشتہ کلام کہے۔ (یعنی ان تینوں صورتوں میں سزا اس کی دوزخ ہے) اس لئے کہ کلام اسکا ہوتا ہے جس نے اوّل کہی ہو۔ نہ اس کی جس نے پیغام پہنچایا ہو۔ (یہ ترجمہ ہے عبارت فقہ اکبر کا۔) کیا خوب کہا ہے کہنے والے نے کہ:

اگرچہ قرآ ن از لب پیغمبر است

ہر کہ گوید حق نہ گفتہ او کافر است

ان معتبر سندوں سے اگر صاحب اشاعۃ السنہ کی تسلی نہ ہو کہ یہ علماء مقلدین کے حوالی ہیں۔ شاید ان کو پسند نہ ہوں تو اوّلاً اس کا جواب یہ ہے کہ شرح فقہ اکبر سے اسی اشاعۃ السنہ سے ص ۲۹۲، ۲۹۳، میں بھی سند لی ہے اور نیز ص ۳۱۴، اشاعۃ السنہ میں بھی حضرت شاہ عبدالعزیزؒ کی کمال تعریف کر کے ان سے سند لی ہے۔ اور ثانیاً یہ جواب ہے کہ علماء غیر مقلدین اسی اعتقاد پر ہیں جو اوپر مذکور ہوا ہے۔ جیسا کہ سنداً انکی بھی بعض کتابوں سے منقول ہوتا ہے۔ تا کہ ظاہر ہو کہ اشاعۃ السنہ والا نے اپنی قوم سے بھی سخت مخالفت کہ ہے۔

: ''نہج مقبول من شرائع الرسول'' جو تالیف ہے بڑے بیٹا مولوی صدیق حسن بھوپالی کی اور خود مولوی مسطور نے اس کی تصحیح کر کے بھوپال میں چھپوائی ہے اور یہ باپ بیٹا مشاہیر علماء غیر مقلدین سے ہیں۔ اس میں لکھا ہے کہ قرآن کریم اللہ تعالیٰ کا کلام ہے۔ اسی سے ابتداء ہوئی ہے اسی کی طرف رجوع ہوگا اور قرآن کے لفظ اور معنی دونوں اللہ تعالیٰ سے ہیں جبرائیل امین صرف ناقل ہیں آنحضرت ﷺ فقط پہنچانے والے ہیں اور جتنا لوگوں نے قرآن پڑھا اور پڑھیں گے وہ تمام اللہ تعالیٰ کا کلام ہے جو اللہ تعالیٰ نے اس کے ساتھ کلام فرمایا اور بے شک حضرت جبرائیل نے ان سے سنی اور بالیقین آنحضرت ﷺ پر اتارا جو کوئی کہے کہ وہ کلام فرشتہ کا یا آدمی کا ہے تو اس کا مکان دوزخ ہے۔ یہ ترجمہ ہے عبارت فارسی نہج مقبول کا، اور یہ عبارت اس کے ص ۵ میں ہے

قولہ یعنی اشاعۃ السنہ میں لکھا ہے اور بعینہ ان دونوں نسبت یہ خیال کریں کہ

بہ ضمن حکایت ابلیس وفرعون یہ کلام خدا میں پائی گئی ہیں تو یہ کلام رحمانی اور جزو قرآن کہلاتے ہیں۔انتہا بلفظہ !فقیر کہتا ہے کہ آیت:''انا خیر منه ''اور آیت:''انا ربکم الاعلیٰ ''کو اللہ تعالیٰ کا کلام اور جزو قرآن بنانے میں کسی کو خیال کرنے کی کیا حاجت؟ یہ دونوں آیتیں فی الحقیقت اور دراصل حق تعالیٰ کا کلام ہیں۔اللہ تعالیٰ نے ان کو فرمایا ہے اور شیطان فرعون کے پیدا ہونے سے ہزار ہا برس پہلے حق تعالیٰ نے ان کو لوح محفوظ میں لکھوایا جیسا کہ قرآن وحدیث وعقائد اہل سنت سے اوپر مبرہن ہو چکا ہے۔پس اس کلام عربی معجز نظام کو شیطان وفرعون کا کلام بنایا اور قرآن میں ان سے نقل کا اعتبار وخیال کرنا محض ہذیان اور بہتان ہے۔خدائے سبحانہ وتعالیٰ جمیع اہل ایمان کو اس اعتقاد وخیال سے بچائے اور عاقبت بخیر فرمائے ۔ واضح رہے کہ یہ اقوال صاحب اشاعۃ السنہ کے جن کا مبنائے اختلاف متکلم پر ہے صاحب براہین احمدیہ کی تائید کی تمہید میں تھے جس میں صاحب اشاعۃ السنہ نے اس کی محبت میں اپنا ایمان قربان کر دیا جیسا کہ شرعاً متحقق ہو چکا ہے۔اب فقیر کاتب الحروف اس کے وہ اقوال جو اصل تائید صاحب براہین میں ہیں جن کا مدار اختلاف مخاطب پر ہے نقل کر کے ادلّہ شرعیہ سے ان کی تردید لکھتا ہے۔واللہ ھو المعین!

قولہ!''ایسا ہی اختلاف مخاطب کے سبب اختلاف کلام کا سمجھنا چاہئے ۔''انتہا بلفظہ !فقیر کہتا ہے کہ ایک نقص اس پر اوپر لکھا گیا ہے دوم علماء بدیع ومعانی وغیرہ نے تصریح کی ہے کہ کلام یا خبر یا انشاء اور ان دونوں کے معنی میں کسی نے اختلاف مخاطب کا کچھ بھی اعتبار نہیں کیا نہ معلوم کہ اس نئے مولوی نے یہ اقسام کلام کہاں سے نکالی ہیں۔

قولہ!''جو کلام خدائے تعالیٰ نے آنحضرت ﷺ کے خطاب میں فرمایا ہے اور وہ ایک کتاب معروف میں درج ہو کر مسلمانوں میں پڑھا جاتا ہے،وہ قرآن کہلاتا ہے ''انتہا بلفظہ!

فقیر کہتا ہے کہ خطاب کلام میں بصیغہ حاضر ہوتا ہے۔تلخیص المفتاح مطول کے متن میں لکھا ہے کہ تکلم سے خطاب کی طرف آیت:''ومالی لا اعبد الّذی ''میں

خطاب سے غیبت کی طرف آیت:'' حتیٰ اذا کنتم ' 'نے''الفلك '' میں غیبت سے خطاب کی طرف آیت:'' ملك یوم الدین ۔ ایا ك نعبد '' میں التفات ہے۔ یہ ترجمہ ہے اس عبارت عربی کا جس سے ثابت ہوا کہ خطاب مخاطب کر کے بات کرنے کا نام ہے ۔

پس معلوم ہوا کہ یہ تعریف قرآن مجید کی جو صاحب اشاعۃ السنہ نے بیان کی ہے اس سے ہزار ہا آیات قرآن کی قرآن ہونے سے خارج ہوگئیں۔ اسلئے کہ آنحضرت ﷺ قرآن مجید کی تمام آیات سے مخاطب نہیں ہیں۔ یعنی سارے قرآن مجید میں آپ ﷺ کو خطاب نہیں کیا گیا۔ بلکہ وہ آیتیں جن میں آپ ﷺ کو خطاب ہوا ہے مثل اور علم دیا آپ ﷺ کو اس کا جو آپ ﷺ کو معلوم نہ تھا اور کہہ دے یا محمد ﷺ اگر تم خدا سے محبت کرنی چاہتے ہو تو میری پیروی کرو اور یہ بے شک ہم نے تجھ پر فتح ظاہر کر دی تا کہ خدا آپ ﷺ کی اگلی پچھلی تقصیریں معاف کرے اور بے شک ہم نے بخشا آپ ﷺ کو کوثر یہ ترجمہ ہے آیات و خطاب کا، اور ایسی آیات خطاب تھوڑا سا حصہ ہیں قرآن مجید کا، اور نیز غیر آنحضرت ﷺ کے قرآن شریف کی بہت سی آیات میں مخاطب ہیں جیسا کہ بنی اسرائیل اور اس امت مرحومہ کے مؤمن اور کفار اور جن وغیرہ، اور نیز صدہا آیات قرآنی ایسی ہیں جن میں کسی کو خطاب نہیں کیا گیا۔ پس اس تفسیر کی رُو سے صدہا آیات قرآن مجید ہونے سے خارج ہوگئیں ۔ ۔ مرزا قادیانی کے اس مؤید پر سخت افسوس ہے جس نے تقاضائے محبت اور ان کی نکمی دوستی میں ہزار ہا آیات قرآنی کلام اللہ شریف سے نکال دیا۔ اللہ تعالیٰ ہی اس کا منتقم کافی ہے۔

سبحان اللہ! عوام اہل اسلام ایسے لوگوں کو علماء دین سے جانتے ہیں اور وہ اپنے رسالہ کا نام اشاعۃ السنہ مشہورہ کر کے آپ کو اکابر مصنفین سے اور صاحب براہین احمدیہ کو کاملین مکملین سے مانتے ہیں اور فی الاصل یہ دونوں صاحب سارے غیر مقلدین کی طرح دنیا کی سخت محبت میں گرفتار ہیں اور مال حرام وحلام کے جمع کرنے کی کوشش میں سرشار ہیں۔ چنانچہ اپنے رسالوں کے حق تصنیف بیچ کر بہت سے روپے جمع کر لیتے ہیں

اور خود رسالہ اشاعۃ السنہ جو سال تمام میں چوبیس جزو ہوتا ہے ایک یا دو روپیہ اس کی قیمت میں عمدہ منفعت ہے اور صاحب اشاعۃ السنہ نوابوں سے تیس روپیہ سالانہ اور دوسرے غنیوں سے پندرہ روپیہ اور متوسط گزارہ والوں سے سات روپیہ اور کم وسعت والوں سے تین روپے بارہ آنہ سالانہ لیتے ہیں اور براہین احمدیہ جو تینتیس جز کی کتاب ہے۔ بازاری قیمت دو یا تین روپے رکھتی ہے۔ مرزا قادیانی نے ادنیٰ قیمت اس کی پچیس روپیہ اور اعلیٰ قیمت ایک سو روپیہ تک مقرر کی ہے جو اس کی کتاب خریدے خواہ وہ رافضی ہو یا بت پرست ہی ہو ان کی بہت مبالغہ اور غلو سے تعریف کرتا ہے اور جو اس کی کتاب کوئی نہ خریدے اگرچہ نواب مسلمان ہی ہو اس کی پرلے درجے کی توہین کر کے قارون سے اس کو تشبیہ دیتا اور دنیا پرستوں سے بنا دیتا ہے۔ جیسا کہ اس کی کتاب کے پہلے اور دوسرے اور چوتھے حصہ کے ابتدائی اوراق ملاحظہ کرنے سے یہ حال معلوم ہو جاتا ہے اور نیز جب بہت سے روپیہ آنے کا اس کو الہام ہوتا ہے تو کمال ہی خوشحال ہوتا ہے اور جب معلوم ہو کہ وہ تھوڑا سا روپیہ ہے تو سخت غم کا پامال ہوتا ہے۔ جیسا کہ براہین کے صفحہ ۵۲۲ سے ۵۲۴، تک کے مطالعہ سے ظاہر ہے۔ پس یہ سارا مدار دنیا کی سخت محبت اور روپیہ پیسہ جمع کرنے پر ہے جس کو دانشمند بخوبی جانتے ہیں اور پورا علم حق تعالیٰ کو ہے۔

الحاصل قرآن مجید کی جامع مانع تعریف وہ ہے جو علماء اسلام کی کتابوں میں درج ہے۔ چنانچہ حضرت امام اعظمؒ کی فقہ اکبر اور ملا علی قاری کی شرح میں لکھا ہے قرآن مجید حضرت محمد ﷺ پر تئیس برس کی مدت میں آیت آیت اتارا گیا ہے اور مصحفوں میں لکھا ہوا ہے۔ یعنی جو دفتین میں مکتوب ہے وہ سب کلام اللہ ہے پر دوسری جگہ فقہ اکبر اور اس کی شرح میں لکھا ہے کہ قرآن مجید مصحفوں میں لکھا ہوا اور دلوں میں یاد اور زبانوں پر پڑھا گیا اور آنحضرت ﷺ پر بالتدریج اتارا گیا ہے بواسطہ، حروف، مفردات و مرکبات مختلف حالتوں میں یہ ترجمہ ہے عبارت عربی کا۔ اب دانشمند لوگ اس نہایت عجیب و غریب آدمی کو دیکھیں جو تنزیل اور خطاب میں امتیاز نہیں رکھتا اور قرآن مجید کی آیات کو فرعون و شیطان کا کلام بنا دیتا ہے اور اس مایۂ علمی پر اس کو یہ ادعا ہے کہ مجتہدین دین غلطی پر تھے

اور میں دین متین کی تائید کررہا ہوں۔

پس یقیناً یہ رعونت اور جہل مرکب کا شعبہ ہے پھر اشاعۃ السنہ میں لکھتے ہیں۔

قولہ!''وہی کلام (یعنی جس کا نام قرآن ہے) اگر کسی غیر نبی کے خطاب میں اور پہلے توریت انجیل وغیرہ میں یا کسی ولی کے الہام میں خدا نے فرمایا ہے تو وہ قرآن نہیں کہلاتا۔گو حقیقت میں وہ بعینہ وہی کلام ہے جو قرآن میں پایا جاتا ہے۔'' انتہا بلفظہ!
فقیر کہتا ہے کہ اس عبارت میں ہر چند بہت سی غلطیاں ہیں مگر جن کا بیان یہاں پر ضروری ہے وہ یہ ہیں اوپر لکھا گیا ہے کہ قرآن مجید کی آیات کو قرآن بنانے میں خطاب کو کوئی دخل نہیں۔قرآن وہ ہے جو سرور دو عالم ﷺ پر اتارا گیا اور آپ ﷺ کی طرف کلام الٰہی سے وحی ہوا۔اور قرآن اس اترنے سے پہلے بھی قرآن تھا اور اس سے پیچھے بھی قیامت تک قرآن ہی کہلاتا ہے اور کسی ولی پر کو ئی آیت قرآن کی الہام ہو جائے تو وہ قرآن سے خارج نہیں ہوتی ہے بلکہ قرآن مجید ازل سے ابد تک قرآن ہی ہے۔

معنی اس کے کلام نفسی قدیم ہے اور اس کی نظم بھی حق تعالیٰ ہی کی طرف سے ہے اور بے شک خدائے پاک نے اس کا نام قرآن حکیم رکھا ہے۔پس غیر ممکن ہے کہ قرآن غیر قرآن بن جائے اور عقائد اہل سنت میں مقرر ہو چکا ہے کہ حق سبحانہ کی صفات پر بھی تغیر نہیں آتا ہے۔جیسا کہ اس کی ذات پر بدلنا نہیں ہے اور خود غیر مقلدین کی نہج مقبول ہے و بر ذات الٰہی تغیر نمی رود ص ۱۰ اص ۱۶ میں دیکھو۔پر تعجب یہ ہے کہ خود صاحب براہین جس جس آیت قرآن کی اپنی طرف الہام ہونے کا مدعی ہے۔

ان کا آیات قرآنی ہی نام رکھتا ہے جیسا کہ اوپر براہین کے ص ۴۸۵، ۴۹۸ سے منقول ہو چکا ہے اور یہ صاحب اشاعۃ السنہ اس کی تائید میں قرآن کو غیر قرآن اور بعض آیا ت قرآنی کلمات فرعونی و شیطانی بنا رہا ہے۔خدا جانے یہ شخص اگر قرآن کی بے ادبی میں غضب الٰہی سے پروا نہیں رکھتا تو اتنا بھی نہیں جانتا کہ خلاف مرضی قائل کے اس کے قول کی ترجیح کر رہا ہے۔الٰہی ایسی نادانی سے پناہ دے۔ہمارے اور ہماری قوم میں سچا فیصلہ کر۔پھر اشاعۃ السنہ کے ص ۳۰۴ میں جو لکھا ہے کہ:

قولہ!''شیطان بجز برائی گمراہی کے اور کچھ القانہیں کرتا ہے اوران الہامات میں سراسر ہدایت تسلیم کی گئی ہے۔ گمراہی کی کوئی بات ان میں نہیں مانی گئی پھر یہ القاء شیطانی کیوں کر ہوسکتا ہے؟۔الخ انتہا بلفظہ!

فقیر کہتا ہے کہ اوپر متحقق ہو چکا ہے مرزا قادیانی نے براہین کے الہامات میں حق تعالیٰ پر افتراء کیا ہے اور قرآن مجید کی آیات میں لفظی معنوی تحریف کی ہے اور اپنی خود ستائی یہاں بیان کی ہے کہ انبیاء سے برابری کر دی ہے تو یہ سب برائیوں سے بڑھ کر برائی اور سخت بے حیائی ہے، جس کو دیدہ حق بین اور دل حقیقت گزیں عطاء نہ ہو تو وہ ان باتوں کو کب دیکھتا ہے اور کیوں پروا کرے ان باتوں کی جو خود سواد اعظم سے نکل جائے اور صاحب براہین احمدیہ اس کی کمال مدح کرے۔

یہاں تک کہ بادعاء الہام رب العالمین اس کو کاملین مکملین میں داخل کر دے اور غیر مقلدین وغیرہ کو اس کے کمال حال و مآل پر آگاہی بخشے تو یہ صاحب اشاعۃ السنہ اس کے قول باطلہ کو نہایت اہانت قرآن کریم سے کیوں نہ تائید کرے۔ خدا ہی اپنے دین کا حافظ ہو رہا یہ کہ اشاعۃ السنہ کے ص ۲۵۹ میں تحریر ہے عربی فقرہ انا انزلناہ قریبا من القادیان!

قولہ!"وبالحق انزلناہ وبالحق نزل"اس میں کسی کو لفظ نزول سے نزول قرآن یا وحی رسالت کا شبہ گذرے تو اس کو یوں دفع کر سکتا ہے کہ یہ لفظ (نزول) رسالت یا قرآن سے مخصوص نہیں ہے بلکہ یہ لفظ بخشش و عطا کے معنوں میں بھی آیا ہے۔ چنانچہ آیت زمر میں فرمایا ہے خدا نے تمہارے لئے آٹھ جوڑی مواشی اتاری، یعنی عطا فرمائی ہیں۔ پس ایسا ہی عطاء الہام معارف صاحب قادیان کے نزول سے تعبیر فرمایا ہے۔'' انتہا بلفظہ!

فقیر کہتا ہے کہ یہ تاویل کئی وجہ سے باطل ہے۔ پہلی وجہ یہ کہ خود صاحب براہین نے اس الہام کے بیان میں لفظ نزول کا اتارنے سے تینوں جگہ میں ترجمہ کیا ہے اور صاحب اشاعۃ السنہ نے اسی ص ۲۵۹ کی آٹھویں سطر میں اس کو نقل کیا ہے تو اب

برخلاف مراد قائل اس کے قول کی تائید کرنی سراسر بے جا ہے۔ دوسری وجہ قادیان کے قریب انزال معارف والہام کو جب آیت: ” وبالحق انزلناہ وبالحق نزل “ سے جو صرف قرآن مجید کے اتارنے اور اترنے کے بیان میں ہے۔ ملا کر لکھا ہے تو یہ طرز کلام اور مقتضائے مقام اس تاویل کو ہزار زبان باطل کر رہا ہے۔ تیسری وجہ آیت: ”وانزل لکم من الانعام “ میں لفظ انزال بھی اکثر مفسرین کے نزدیک اپنے حقیقی معنوں یعنی اتارنے میں مستعمل ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت آدمؑ کے ساتھ بہشتوں سے یہ مواشی اتارے تھے۔ جیسا کہ تفسیر مدارک وتفسیر کبیر ونیشاپوری وخازن وحسینی ولباب وغیرہ میں درج ہیں اور نیز انہیں تفاسیر میں ہے کہ مواشی کی زندگی نباتات سے ہے اور نباتات کا قوام پانی سے ہے اور پانی آسمان سے اتارا جاتا ہے۔

پس گویا مواشی بھی آسمان سے اتارے گئے۔ علاوہ مذکورہ بالا تفاسیر ابوسعود وبیضاوی میں بھی ایسا ہی لکھا ہے۔ پس ان دونوں وجہوں میں انزال کے معنی عطا کے ہوئے اور جمہور مفسرین نے آیات شریفہ کے معنی یوں کئے ہیں کہ خدا نے تمہارے لئے مواشی پیدا کئے تو یہ آیت مثل آیت سورۃ النمل اور سورۃ یٰسین کے ہوئی جن میں مواشی کے پیدا کرنے کا ذکر ہے تو ان معنوں کی رُو سے بھی انزال کو عطا پر حمل کرنا ناروا ٹھہرا اور یہ جو کسی مفسر نے اس آیت میں مواشی کے اتارنے کو غیر ظاہر المراد خیال کر کے عطا کے معنی بھی لیں تو اس سے یہ ہرگز لازم نہیں آتا کہ قرآن مجید کے اتارنے اور اترنے کو عطا کے ساتھ تفسیر کیا جائے۔ کیونکہ وقت متعذر ہونے حقیقت کے مجاز کی طرف رجوع کیا جاتا ہے۔ پس:” وبالحق انزلناہ “کو انزال انعام پر قیاس کرنا مع الفاروق ہے۔

الغرض صاحب اشاعۃ السنہ صاحب براہین کی تائید نہیں کر رہا بلکہ اس کہ ضلال واضلال کو بڑھا کر درپے اس کی توہین کے ہے۔

برسولاں بلاغ باشد وبس اوروہ۔

قولہ! جو صاحب اشاعۃ السنہ نے: ” یا مریم اسکن انت وزوجك الجنۃ “ کی تاویل ص۲۸۰ میں لکھا ہے صاحب براہین کو روحانی مناسب کے سبب مریم

تشبیہ دی گئی ہے کہ جیسے حضرت مریمؑ بلاشوہر حاملہ ہوئی ہیں ایسے ہی مؤلف براہین بلا ترتیب وصحت کسی پیر وفقیر ولی مرشد کے ربوبیت غیبی سے تربیت پاکر موردالہامات غیبیہ وعلوم لدنیہ ہوئی ہیں۔ اس تشبیہ کی ایک ادنیٰ مثال نظامی کا یہ شعر ہے:

ضمیر م نہ زن بلکہ آتش زنست
کہ مریم صفت بکرو آبستن ست

انتہاء بلفظہ! بقدر الحاجة!

فقیر کہتا ہے یہ تاویل باطل ہے کہ ارکان تشبیہ چار ہیں۔ مشبہ، مشبہ بہ، وجہ شبہ، حرف تشبیہ لفظی ہو یا تقریری جیسا کہ مطول وغیرہ میں ہے۔ اب ظاہر ہے کہ فقرہ: "یا مریم اسکن "۔ الخ'' میں مشبہ کا تو ذکر ہے نہیں تشبیہ کیونکر پائی گئی؟ بلکہ صاحب براہین کا ادعا ہے کہ اس کو یا آدم یا عیسیٰ یا مریم وغیرہ اسماء انبیاء سے خطاب ہورہے ہیں۔ پس صریح محال ہے کہ ایک ہی شخص باپ بیٹا سب کچھ بن جائے اور یہ ممکن ہی نہیں کہ جس کو فیضان الٰہی ہو وہ قرآن میں تحریف کرے اور انبیاء سے برابری کا دعویٰ کرے اور وغیرہ امور سخت مخالف شرع عمل میں لائے۔ پس یقیناً صاحب براہین حدود شرعیہ سے نکل کر طغیان اور عصیان کے پرلے درجے تک پہنچا ہے۔ یہاں تک کہ پہلی قسم کے الہامات مع جواب تاویلات صاحب اشاعۃ السنہ کے ذکر سے فراغت حاصل ہوئی ہے۔

اب دوسری قسم کے الہامات کا یعنی جن میں صاحب براہین نے انبیاء پر اپنی فضیلت جتائی ہے بطور نمونہ ذکر کیا جاتا ہے اور وہ یہ ہے کہ براہین کے صفحہ ۲۴۰ میں عربی الہام کا دعویٰ کرکے اس کا ترجمہ یہ لکھا ہے کہ: ''خدا تیری تعریف کرتا ہے اور تیری طرف چلا آتا ہے'' انتہا بلفظہ!

فقیر کان اللہ لہ کہتا ہے کہ ''حمد'' احسان کے بعد ہوا کرتی ہے۔ جیسا کہ تفسیر کبیر ونیشاپوری وفتح العزیز وغیرہ میں درج ہے اور مجمع البحار میں حدیث لکھی ہے جس کا ترجمہ یہ ہے کہ حمد شکر کا سر ہے۔ اس لئے کہ اس میں نعمت کا اظہار ہے اور عام تر ہے۔ پس حمد میں شکر اور زیادتی ہے، انتہا۔ اور ردالمختار میں ہے کہ عرفاً حمد وہ فعل ہے جو منعم کے انعام

دینے کی تعظیم سے خبردار کرے، الیٰ قولہ۔ اور حمد جہاں مطلق ہو عرف ہی مراد ہوتی ہے۔ سید شریف نے حاشی مطالعہ میں یہ لکھا ہے۔ یہ ترجمہ ہے عبارت ردالمختار کا۔ پس محال ہے کہ اللہ تعالیٰ کسی بندے کی حمد کرے۔ اس لئے کہ منعم حقیقی تو حق تعالیٰ ہے اور باوصف اس کے قرآن اور صحیح احادیث میں کہیں بھی صراحتاً نہیں آیا کہ حق تعالیٰ اپنے حبیب محمد ﷺ یا کسی اور نبی کی انبیاء سے حمد کررہا ہو۔ پس کیونکر متصور ہو کہ باری تعالیٰ مرزا قادیانی کی عرش سے حمد کررہا ہے؟ یعنی اس کو سب اپنے مقبول بندوں پر جن میں انبیاء بھی داخل ہیں فضیلت دے رہا ہے۔ خدا جانے صاحب براہین نے رب العالمین پر کونسا انعام کیا ہے جس کے بدلے وہ سب کے محمود کی حمد کا مستحق ٹھہر گیا ہے؟

یہ نرا بہتان عظیم، نہایت تکبر اور حمق ورعونت اور جھوٹ وفریب سے پیدا ہوا ہے۔ علاوہ ازیں اس فقرہ الہامیہ عربیہ کی رکاکت لفظی علماء اسلام سے مخفی نہیں ہے اور قرآن مجید میں جو لفظ حمید کا باری تعالیٰ کی صفت میں واقع ہوا ہے تو وہ لفظ غنی وعزیز وغیرہ سے نزدیک کیا گیا ہے تاکہ دلالت کرے کہ حمید بمعنی حامد ہے تو وہ سبحانہ اپنی ذات وصفات کا حمد کرنے والا ہے۔ مجمع البحار میں نہایہ سے لکھا ہے کہ اللہ تعالیٰ جو حمید ہے تو وہ ہر حال محمود ہے۔ انتہا!

اور قرآن میں جو حق تعالیٰ کا شاکر وشکور ہونا مذکور ہے تو اس سے بھی یہی مراد ہے کہ باری تعالیٰ تھوڑے عمل پر زیادہ ثواب عطا فرماتا ہے جیسا کہ اکثر تفاسیر میں لکھا ہے اور محی السنہ معالم لکھتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ شکر یہ ہے کہ استحقاق سے زائد عطا کرتا ہے۔ انتہا!

اور مجمع البحار میں ہے کہ حق تعالیٰ شکور وہ ہے جو تھوڑے عمل کو بڑھا کر مضاعف بدلا دیتا ہے۔

پس اس کا شکر بندوں کا بخشنا ہے۔ انتہا! اور قاموس میں ہے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے شکر کا بدلہ دینا اور ثناء نیک کرنا ہے۔ انتہا! اور حمد ومدح یعنی ثناء جمیل میں فرق ظاہر ہے۔ پھر بہت ظاہر ہے کہ آنحضرت ﷺ شب معراج میں اللہ تعالیٰ کے حضور میں خود حاضر ہوئے تھے۔ جیسا کہ قرآن وحدیث میں آیا ہے اور یہاں حق تعالیٰ مرزا قادیانی کے

پاس خود چل کر آرہا ہے۔ پس پاک ہے وہ ذات جس کی صفت لیس کمثله شئی وارد ہے۔ پھر براہین کے ص ۵۵۸، پر الہام عربی درج ہے جس میں مرزا قادیانی کے بیت الفکر اور بیت الذکر کے حق میں: ’’ومن دخله کان آمنا ‘‘واقع ہوا ہے۔ جس کا ترجمہ انہوں نے خود کیا ہے۔ ہم نے تیرا سینہ نہیں کھولا۔ ہم نے ہر ایک بات میں تیرے لئے آسانی نہیں کی کہ تجھ کو بیت الفکر اور بیت الذکر عطا کیا۔ بیت الفکر سے مراد اس جگہ وہ جس میں یہ عاجز کتاب کی تالیف کے لئے مشغول رہا ہے اور رہتا ہے اور بیت الذکر سے مراد وہ مسجد ہے جو اس چوبارہ کے پہلو میں بنائی گئی ہے اور: ’’ومن دخله کان آمنا‘‘ اس مسجد کی صفت بیان فرمائی ہے، انتہا بلفظہ!

فقیر کہتا ہے کہ آیت ’’ومن دخله کان آمنا‘‘ قرآن شریف میں بیت اللہ شریف کے ہی حق میں وارد ہے۔ مسجد نبوی ﷺ کے اور نہ مسجد اقصیٰ (جس کی تعریف سورۃ بنی اسرائیل کے ابتداء میں ہے اور وہ قبلہ انبیاء ہے) کے حق میں وارد ہے۔ پس یہ ادعا صاحب براہین کا کہ اس کی خانگی مسجد کے بارہ میں اللہ تعالیٰ نے: ’’ومن دخله کان آمنا ‘‘ نازل کیا ہے۔ یہاں اپنی مسجد کو ان مسجدوں پر فضیلت دی ہے۔ ان مناقب سے ایک اور امر ظاہر ہو گیا اور وہ یہ ہے کہ مرزا قادیانی نے ابتداء براہین احمدیہ کے اشتہار میں درج کیا ہے کہ ان کی جائیداد دس ہزار روپیہ کی ہے۔ پھر ادعا کیا ہے کہ ہم کو ایک الہام ہوتا ہے اور اللہ تعالیٰ سے مخاطبت یعنی ہمکلامی کا منصب حاصل ہے۔ پس باوجود اس کے اب تک وہ حج کو نہیں گئے۔ اس لئے کہ حج گناہ کے بخشوانے اور قیامت کے امن کے واسطے ہے اور یہ دونوں مرزا قادیانی کو حاصل ہیں۔ کیونکہ ان کو اللہ تعالیٰ نے کہا ہے کہ جو جی چاہے سو کر بے شک ہم نے تجھے بخش چھوڑا ہے جیسا کہ براہین کے ص ۵۶۰، میں درج ہے اور امن تو ان کی کے نمازیوں کو حاصل ہے۔ مرزا قادیانی تو خود اس کے امام اور بانی ہیں اور نیز اور پر براہین کے ص اخیر ۵۶۲، سے منقول ہو چکا ہے کہ: ’’دین اسلام سب پر مشتبہ ہو گیا ہے اور اللہ تعالیٰ نے سب کو حکم کیا ہے کہ طریقہ حقہ مرزا قادیانی سے حاصل کریں۔‘‘ انتہا ملخصاً!

پس اب بحسب اقراران کے قادیان خودمکہ معظّمہ ہوگئی اوران کوحج کرنے کی کیا حاجت رہی؟ اس شرارت سے پناہ بخدا۔ جمیع انبیاء اور سید المرسلین ﷺ بیت اللہ کا حج اورطواف کرتے گئے۔ البتہ جس کے پاس رب العزت خودتشریف لائے اوراس کی حمد کرے تووہ کیوں حج کو جائے ؟ پھر ص ۵۶۰، میں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فقرات عربی مرزا قادیانی کوالہام کی ہیں جن کا ترجمہ وہ خود یوں کرتے ہیں کہ: ’’تو میرے ساتھ اور میں تیرے ساتھ ہوں ۔ تیرے لئے میں نے رات دن پیدا کیا۔ تو مجھ سے وہ منزلت رکھتا ہے جس کی لوگوں کوخبرنہیں۔‘‘ انتہا بلفظہ!

فقیر کہتا ہے کہ قرآن میں فرمان ہے کہ محمد ﷺ اللہ تعالیٰ کے رسول ہیں۔ پس آنحضرت ﷺ کا رتبہ قرآن مجید سے لوگوں کو معلوم ہوگیا۔ اور سب مسلمان شاہد ہیں کہ آپ ﷺ اللہ تعالیٰ کے رسول ہیں اور ساری خدائی سے افضل ۔ اور صاحب براہین کا ادعا ہے کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ مرزا قادیانی کی منزلت کی لوگوں کوخبرنہیں۔ پس اس کلام سے مرزا قادیانی کی جمیع انبیاء پر فضیلت کا ثابت کرنا نہیں تو اور کیا ہے؟

اور یقیناً ان دعوؤں میں صاحب براہین کاذب ہے۔ پھر مرزا قادیانی ضمیمہ اخبار ریاض ہند مجریہ امرتسر یکم مارچ ۱۸۸۶ء مطبوعہ ہوشیار پور میں لکھتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے ان کے حق میں فرمایا ہے کہ: ’’ انت منی وانا منك ‘‘ ص ۱۴۸ سطر ۴ کالم ۲، تذکرہ ص ۱۲۲ اور ان کے بیٹے کے حق میں جس کی بشارت دی گئی ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ وہ اوّل آخر کے ظاہر کرنے والا حق اور بلندی کوظاہر کرنے والا کان اللہ نزل من السماء ص ۱۴۷ سطر ۲ کالم ص ۱۳۹، انتہاء

فقیر کان اللہ لہ کہتا ہے کہ پہلا الہام صحیح حدیث کا ایک فقرہ ہے جو آنحضرت ﷺ نے اپنے عم زاد بھائی حضرت علی المرتضیٰ کرم اللہ وجہہ کے حق میں فرمایا تھا: ’’ انت منی وانا منك ‘‘ یعنی تو نسب اور پیوند سسرال اور ابتداء ایمان ومحبتو غیرہا میں مجھ سے متصل ہے۔ جیسا کہ قسطلانیؒ اور کرمانیؒ دونوں شرح بخاری میں درج ہے۔ یعنی فیما میں میری اور تیری برادری اور قرابت اور اتحاد اور کمال اتصال ہے ۔ جیسا کہ مرقات

اور لمعات دونوں شرح مشکوٰۃ میں لکھا ہے اور کرمانی شرح بخاری میں ہے کہ اس من کو اتصالیہ کہتے ہیں۔انتہا مترجما۔

پس یہ یقین ثابت ہوا کہ ایسا کلام دو قریبیوں میں جن کو نسبتاً واخوۃً وغیرہ اتصال ہو واقع ہوئی۔لیکن خدائے تبارک وتعالیٰ جس کا نہ کوئی ولد ہے نہ کوئی والد اور نہ کوئی اس کا کفو اور جس کی یہ صفت ہے کہ کسی سے متصل نہیں ہوتا اور نہ کسی سے متحد ہوتا ہے نہ کسی سے مشابہ ہے۔جیسا کہ عقائد کی کتابوں میں اس پر تصریح ہے۔ ہرگز متصور نہیں کہ پاک ذات کسی کو فرمائے کہ:

" انت منی وانا منك "

یعنی تو مجھ سے متصل سے ہے اور میں تجھ سے متصل ہوں۔پس بالیقین یہ صاحب براہین نے انبیاء اور مرسلین پر اپنی فضیلت ثابت کرنے کو حق تعالیٰ پر یہ بہتان باندھا ہے اور دوسرا الہام جس میں اس کے زعمی بیٹے کو: " کان اللّٰہ نزل من السماء" کہا ہے وہ بھی صرف افتراء اور بہتان ہی ہے۔اس لئے کہ جو مشابہت لفظ کان سے بیان کی جاتی ہے وہ نہایت سخت مشابہہ ہوتی ہے۔جیسا کہ تفسیر اتقان سے اوپر بیان کیا گیا ہے۔پس جب مرزا قادیانی کا بیٹا حق تعالیٰ سے بہت مشابہ ٹھہرا اور وہ پاک ظالموں کی باتوں سے برتر ہے تو خود مرزا قادیانی بہت ہی اونچا چڑھ گئے۔معاذ اللہ! حق تعالیٰ کے برابر ہو گئے اور دراصل حق سبحانہ ملحدوں باتوں سے پاک اور منزہ ہے۔اللہ تعالیٰ کے غضب اور عذاب اور برے بندوں کی شرارت شیطانوں کی ایذاء اور حاضری سے پناہ بخدا۔

یہاں پر ختم ہوا یہ رسالہ جس کا نام " رجم الشیاطین برداغلوطات البراھین " ہے اور جمیع حمد میں خاص خدائے پروردگار جہانوں کے واسطے ہیں اور درود ہو اللہ تعالیٰ کا ساری مخلوقات کے برگزیدہ اور اس کے حبیب محمد ﷺ اور اس کی آل واہل بیت واصحاب پر جب تک اس کو یاد کرنے والے یاد کریں اور جب تک غافل اس کی یاد سے غفلت کریں اور بعد ختم۔اس رسالہ کے اللہ تعالیٰ کے وافر کرم کا مشتاق محمد ابوعبدالرحمٰن فقیر غلام دستگیر ہاشمی حنفی قصوری اللہ تعالیٰ اس کی مدد میں ہو۔

شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی رحمہ اللہ

مصلحین امت میں حضرت شاہ ولی اللہ دہلوی کو جو امتیازات حاصل ہیں۔ان میں ایک خاص امتیاز آپ کو یہ حاصل ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو ایسے فرزند و جانشین عطا فرمائے جو صحیح معنوں میں ''نعم الخلف لنعم السلف'' تھے۔

جنہوں نے حضرت شاہ صاحب کی صحیح طور پر دینی، علمی اور تجدیدی جانشینی کی اور شاہ صاحب کے جلائے ہوئے چراغ کو روشن رکھا۔

دین اسلام کی اشاعت، کتاب وسنت کی ترقی وترویج، عقائد حقہ اور توحید خالص کا پرچار، شرکت وبدعت، اصلاح رسوم،، تزکیہ نفس، دعوت وتبلیغ، جہاد فی سبیل اللہ، تاسیس مدارس دینیہ اور تصنیف وتالیف میں جو گرانقدر خدمات انجام دیں۔اس کی مثال برصغیر کی تاریخ میں ملنی مشکل ہے۔

حضرت شاہ ولی اللہ دہلوی کے چاروں فرزند

شاہ عبدالعزیز (۱۷۴۵ء-۱۷۲۲ء)

شاہ رفیع الدین (۱۷۴۹ء-۱۸۱۸ء)

شاہ عبدالقادر (۱۷۵۳ء-۱۸۱۵ء)

شاہ عبدالغنی (۱۷۵۶ء-۱۸۱۲ء)

اپنے زمانے میں علم وعمل، فہم وفراست، قوت تقریر، فصاحت تحریر، تقویٰ وطہارات، حفظ وضبط، عدالت وثقاہت، امانت ویانت اور امامت وولایت میں فرید دہر، اور وحید عصر شمار کئے جاتے تھے۔اور ہر ایک بزرگ آسمان علم کا جہانتاب آفتاب تھا۔

حضرت شاہ عبدالعزیز اپنے تمام بھائیوں میں سب سے بڑے تھے۔ ۱۱۵۹ھ/ مطابق ۱۷۴۵ء میں پیدا ہوئے۔

پانچ سال کی عمر میں قرآن مجید سے تعلیم کا آغاز کیا۔اور پندرہ سال کی عمر میں تمام مروجہ علوم

وفنون سے فراغت حاصل کی۔

مولوی رحمان علی تذکرہ علمائے ہند لکھتے ہیں کہ

پندرہ سال کی عمر اپنے والد ماجد سے تمام علوم عقلیہ ونقلیہ اور کمالات ظاہری و باطنی سے فراغت حاصل کی۔(صفحہ ۱۲۲)

۱۷ سال کے تھے کہ آپ کے والد محترم حکیم الامت شاہ ولی اللہؒ نے وفات پائی تو آپ حضرت شاہ صاحب کی مسند تحدیث کے وارث اور جانشین ہوئے۔اور تقریباً ۶۰ سال تک دہلی میں قرآن وحدیث کی اشاعت میں مصروف رہے۔

فضل وکمال

شاہ عبدالعزیز جامع الکمالات تھے۔

علم تفسیر ، حدیث فقہ، اصول فقہ ، سیر وتاریخ ، ادب ولغت ، اسماء الرجال ، مناظرہ،شعروادب،فلسفہ ومنطق ،ریاضی اور صرف ونحو میں یکتائے روزگار تھے۔

میدان علم وفضل کے شہسوار تھے۔جامعیت میں وہ اپنی مثال آپ تھے۔

آپ تمام علوم نقلیہ میں مہارت تامہ رکھتے تھے۔لیکن اپنی تمام ہمت واوقات حدیث نبوی ﷺ کے غوامض کی تحقیق اور کلام الٰہی کی تفسیر اور نبی اکرم ﷺ کی شریعت مطہرہ کی اشاعت وتوسیع میں صرف فرماتے تھے۔

وفات

آپ نے شوال ۱۲۳۹ ہجری بمطابق ۱۸۲۲ء دہلی میں انتقال کیا۔

تجدیدی کارنامے

شاہ عبدالعزیزؒ نے تجدید احیائے دین کے سلسلہ میں جو کارہائے نمایاں سرانجام دیئے ان کو مولانا سید ابوالحسن علی ندوی مرحومؒ نے پانچ شعبوں میں تقسیم کیا ہے۔

۱۔ قرآن مجید کی ترجمانی، مسلمانوں میں اس کی تعلیمات ومضامین کی اشاعت عام، اس کے ذریعہ عقائد کی اصلاح اور دین خالص سے عوام کے براہِ راست ربط وتعلق کی سعی جمیل۔

۲۔ حدیث کی نشرواشاعت اوراس کے درست واجازت کے سلسلہ کا احیاء، اس کے حلقہ ہائے درس کا اجراءاوراساتذہ حدیث اورشارحین کتب حدیث کی ترتیب۔

۳۔ فتنہ رفض وتشیع کا مقابلہ، صحابہ کرام اورقرآن عظیم کو مجروح ومشکوک بنانے والی کوششوں اورسازشوں کاسدِ باب۔

۴۔ جہادفی سبیل اللہ کااحیاءاور ہندوستان میں اسلامی اقتداراورمسلمانوں کی آزادی کے لیے سب سے بڑے خطرے اورچیلنج کا مقابلہ۔

۵۔ ان مردان حق کی تربیت جوحالات اور وقت کے تقاضوں اوردین کے حقیقی مطالبوں کے مطابق دعوت واصلاح کا کام انجام دیں۔

تجدیدی کارناموں کی تکمیل

جہاں تک عوام تک قرآن مجید پہنچانے اوراس کے ذریعہ عقائد باطلہ، اوررسوم فاسدہ کی اصلاح کاتعلق ہے شاہ عبدالعزیز نے اپنے والدمحترم حضرت شاہ ولی اللہ کے کام کو بہت ترقی دی۔

شاہ ولی اللہ صاحب کادرس قرآن سورۂ نساء کی آیت''اعدلوا هو اقرب للتقوىٰ'' تک پہنچاتھا کہ ان کاانتقال ہوگیا۔

شاہ عبدالعزیز نے یہیں سے درس شروع کیااورسورۂ حجرات کی آیت''ان اکرمکم عند الله اتقاكم'' تک پہنچے تھے کہ ان کا سلسلہ ختم ہوگیااوراس ان کے بعدان کے نواسہ مولانا شاہ محمداسحٰق نے اس کی تکمیل کی۔

اس کے علاوہ بسلسلہ خدمت قرآن شاہ عبدالعزیز کا دوسراعلمی واصلاحی کارنامہ تفسیر فتح العزیزالمعروف تفسیرعزیزی ہے۔یہ تفسیر مکمل نہیں ہوئی۔

خدمت حدیث میں شاہ عبدالعزیز کا کارنامہ یہ ہے کہ آپ نے ۶۰ سال تک حدیث کادرس دیا۔اوراس کے ساتھ خدمت حدیث میں بستان المحدثین اورعجالہ نافعہ جیسی بے نظیر کتابیں تصنیف کیں

۔

فتنہ رفض وتشیع کے مقابلہ اوراس کے اثر سے اہل سنت کومحفوظ رکھنے کے کارنامہ کاتعلق ہے۔

اس کی ابتداءحضرت شاہ ولی اللہ دہلوی نے اپنی بے نظیرتصانیف ازالۃ الخفاءعن خلافت الخلفاءاورقرۃ

العنین فی تفضیل الشیخین سے کی اور اس کی تکمیل اور تقویت حضرت شاہ عبدالعزیز نے اپنی نادرہ روزگار تصنیف ''تحفہ اثنا عشریہ'' سے کی۔

جہاں تک جہاد فی سبیل اللہ کا احیاء اور ہندوستان میں اسلامی اقتدار اور مسلمانوں کی آزادی کا تعلق ہے شاہ عبدالعزیز دہلوی کو اللہ تعالیٰ نے غیر معمولی طور پر حقیقت پسند ذہن اور صاحب حمیت وعزیمت عطا فرمائی تھی۔ اس انقلاب کا پورا جائزہ لیا اور اس نتیجہ پر پہنچ گئے کہ اسلامی اقتدار کی راہ میں رکاوٹ اور مسلمانوں کے مستقبل کے لیے خطرہ انگریز ہیں اور انہوں نے اس کا اظہار ایک عربی شعر میں کیا ہے۔

میں فرنگیوں کو جو دولت کے مالک ہیں۔ میں دیکھتا ہوں کہ اُنہوں نے دہلی اور کابل کے درمیان فساد برپا کر رکھا ہے۔

جہاں تک مردان حق کی تربیت کا تعلق ہے۔ اس میں حضرت شاہ عبدالعزیز کا بہت زیادہ حصہ ہے اور اللہ تعالیٰ نے آپ کے ذریعہ ایسے متعدد عالی استعداد اور بلند ہمت وعزیمت رکھنے والے صاحب تاثیر نفوس کی تربیت کا کام لیا۔ جنہوں نے ہزاروں انسانوں کی زندگیوں میں انقلاب پیدا کر دیا۔ بقول اقبال ؎

اسی دریا سے اٹھتی ہے وہ موج تند جولاں بھی
نہنگوں کے نشیمن جس سے ہوتے ہیں تہ وبالا

اعتراف عظمت

حضرت شاہ عبدالعزیز کے علم وفضل اور ان کے جامع الکمالات ہونے کا اہل علم وارباب سیر نے اعتراف کیا ہے۔

مولانا سید نواب صدیق حسن خانؒ فرماتے ہیں کہ کثرت حفظ، علم تعبیر رؤیا، سلیقہ وعظ وانشاء، تحقیقات علوم اور حریف کے ساتھ بحث ومناظرہ میں اپنے تمام اقران ومعاصرین میں ممتاز تھے۔ اور اس باب میں ان کے موافق ومخالف ان کا لوہا مانتے تھے۔ عمر بھر تدریس وفتویٰ نویسی مختلف علمی معرکوں میں آخری فیصلہ کرنے، وعظ ونصیحت، مریدوں کی روحانی تربیت اور شاگردوں کی رہنمائی میں

مصروف رہے۔

(اتحاف النبلاء ص ۲۹۶)

اس کے بعد نواب صاحب مرحوم شاہ عبدالعزیز کے بارے میں لکھتے ہیں کہ شاہ عبدالعزیزؒ اپنے وقت کے نہایت زبردست عالم تھے۔ اس زمانہ کے تمام علماء ومشائخ آپ کی طرف رجوع کرتے تھے اور بڑے بڑے فضلاء آپ کی خدمت تلمذ پر بے حد فخر کیا کرتے تھے۔ آپ کا علوم متداولہ وغیر میں وہ پایہ تھا جو بیان میں نہیں آسکتا تھا۔ کثرت حفظ، علم تعبیر رویاء، سلیقہ وعظ، انشاء پردازی، تحقیق نفائس علوم میں تمام ہمعصروں میں امتیاز یہ نگاہوں سے دیکھے جاتے تھے اور مخالفین اسلام کو ایسی سنجیدگی ومتانت سے دندان شکن جواب دیتے تھے کہ وہ ہونٹ چاٹتے رہ جاتے تھے۔

آپ کی تقریر میں اس بلا کا جادو تھا۔ جس کا مخالف وموافق پر برابر ویکساں اثر پڑتا تھا۔ آپ شیوہ بیانی اور سلجھی ہوئی تقریروں کی تمام ہندوستان میں دھوم مچی ہوئی تھی۔ اور یہ بات تمام لوگوں میں مشہور تھی کہ شاہ عبدالعزیز صاحبؒ نے وہ طرزِ بیان اختیار کیا ہے کہ ان کی مجلس وعظ سے ہر مذہب وملت کا شخص خوش ہو کر اٹھتا ہے۔ متعصب اور ہٹ دھرم لوگ بھی آپ کی بات بلا تردد تسلیم کرتے اور حسن تقریر کے آگے اطاعت کی گردنیں جھکا لیتے تھے۔

(اتحاف النبلا، ترجمہ از حیات ولی ص ۵۹۴)

مولانا عبدالرحیم دہلوی حیات ولی میں لکھتے ہیں کہ

حضرت شاہ ولی اللہ کے انتقال کے وقت آپ کی عمر ۱۷ برس تھی۔ اور اسی عمر میں لوگ آپ کے پاس تعلیم پانے کے لیے آنے لگے۔ اور سب نے آپ مقتدا تسلیم کر لیا اور ہمیں اس فقرے کے لکھنے میں کبھی تردد نہیں ہوسکتا کہ ہندوستان میں علم وعمل کی ریاست کا اول آپ پر بعدہ، آپ کے لائق بھائیوں پر خاتمہ ہو گیا۔ (صفحہ ۵۹۳، ۵۹۴)

مولانا سید سلیمان ندوی (۵۹۳، ۵۹۴) لکھتے ہیں۔

شاہ عبدالعزیزؒ نامور باپ کے فرزند تھے۔ اپنے پدر بزرگوار کے شروع کئے ہوئے کاموں کو آگے بڑھایا۔ درس وتدریس کا ہنگامہ برپا کر دیا۔ علم حدیث وسنت کو فروغ دیا۔ اہل تشیع کے رد میں تحفہ اثنا عشریہ لکھی، قرآن کی فارسی میں تفسیر لکھی۔ محدثین اور کتب حدیث کے حالات میں بستان

المحد ثین تالیف کی ۔محدثین اور کتب حدیث کے حالات میں بستان المحد ثین تالیف کی ۔ اصول حدیث میں ''عجالہ نافعہ'' کے نام سے رسالہ لکھا۔(مقالات سلیمان ج ۲ص ۴۸)

شیخ محسن بن یحییٰ ترہتی اپنی کتاب ''الیانع الجنی'' میں لکھتے ہیں کہ حضرت شاہ عبدالعزیز فضل وکمال اور شہرت ومقبولیت کے اس مقام پر فائز تھے کہ اطراف ہند کے لوگ ان سے انتساب بلکہ آپ کے تلامذہ ومنتسبین سے بھی ادنیٰ نسبت پر فخر کرتے تھے۔

آپ کے ان کمالات میں جن میں آپ کا کوئی معاصر آپ کا مدمقابل نہ تھا آپ کی حاضر دماغی اور حاضر جوابی بھی تھی جس کے سبب آپ بحث میں غالب آتے اور مخاطب کو لاجواب کردیتے۔ انہیں کمالات میں آپ کی قادر الکلامی حسن تعبیر وخوبی تحریر بھی تھی۔جس میں اہل نظر نے آپ کو سب پر فائق تسلیم کیا تھا۔

آپ کے ایسے ہی کمالات میں آپ کی بے مثل فراست بھی تھی جس کے ذریعے اللہ تعالیٰ نے تعبیر خواب کی امتیازی صلاحیت عطا کی تھی ۔آپ خواب کی ایسی تعبیر دیتے جو پوری ہوتی تھی ۔ اور آپ کی چشم دید معلوم ہوتی تھی ۔ یہ صلاحیت بڑے پاک نفس انسانوں ہی کے حصہ میں آتی ہے۔ان کے علاوہ آپ کے متعدد فضائل وکمالات ہیں مختصراً یہی کہا جاسکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کی ذات میں نوع بہ نوع اور گوناگوں فضائل جمع کردیئے تھے جو ابنائے دہر میں پھیلے ہوئے تھے۔

(بحوالہ تاریخ دعوت وعزیمت ج ۵ص ۳۵۲)

مولانا سید ابوالحسن علی ندوی لکھتے ہیں۔

امام العماء' روس الفضلاء' علامہ محدث' شاہ عبدالعزیز بن شاہ ولی اللہ بن شاہ عبدالرحیم عمری دہلوی' خود اپنے زمانہ کے علماء کے سردار اور گزشتہ علماء کے سرتاج کے چشم وچراغ 'بعض لوگوں نے آپ کو''سراج الہند'اور بعض نے ''حجۃ اللہ'' کا خطاب دیا۔(تاریخ دعوت وعزیمت ج ۵ص ۳۴۶)

مولانا سید عبدالحئ الحسنی نزہۃ الخواطر ج ۷ میں فرماتے کہ ان کی جامعیت' معقولات منقولات'فنون ادبیہ میں یکساں مہارت' قوت تدریس' اشاعت علم حدیث' افاضہ باطنی' حسن تربیت'

قدرت تصنیف، حلاوت کلام، وسعت اخلاق، ملت اسلامیہ کے ہندیہ کے لئے دلسوزی ودرمندی اور کثرت فیضان میں ان کی نظیر دور دور مشکل ہے۔

مولانا محمد یوسف بنوری (م ۱۳۹۷ ہجری) فرماتے ہیں کہ آپ وہ شخص ہیں جو اہل دل عارفین کے علوم کے ساتھ ساتھ محدثین اور اہل ظواہر کے علوم کے بھی جامع ہیں اور جو علم روایت کیساتھ حیران کن تبحر کے ساتھ ساتھ فنون روایت میں بھی حیرت زدہ مہارت کے بھی جامع ہیں۔

راسخ علوم اور روشن افکار کے ساتھ ساتھ غیب کے روشن وظاہر انوار کے بھی جامع ہیں اور میں بصیرت کے ساتھ کہتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ نے دو شخصوں سے ایک شخص کو بنایا۔ان میں سے ایک شخص گونا گوں ظاہری علوم اور اس کی روایت ودرایت اور منقول ومعقول کے جامع ہیں اور وہ شخص حافظ ابن تیمیہ حرانی ہیں۔ جو ایک بحر پیدا کنار ہیں اور دوسرے وہ جو ظاہری علوم کے ایک حصہ وافر سے بہرہ مند ہیں۔اور دقیق علوم میں سے عجیب عجیب علوم سے بہرہ مند ہونے کے ساتھ ساتھ حقائق الٰہیہ اور عارفین کے ربانی علوم کے جامع ہیں۔

وہ شیخ اکبر اندلسی محی الدین ابن عربی ہیں ان دو بڑی ہستیوں سے ایک دوسری بڑی ہستی بنائی گئی۔اور وہ حضرت شیخ الحجۃ عبدالعزیز دہلویؒ کی ذات گرامی ہے ایسا کام امت کے چند نادر افراد کے سوا اور کوئی نہیں کر سکتا۔اور حضرت شیخ حجۃ الدہلویؒ ان ہی چند نادر ہستیوں کی نظیر تھے۔

(مقدمہ لامع الداری بحوالہ دارالعلوم دیوبند نمبر ص ۱۷۴)

ڈاکٹر شیخ محمد اکرام مرحوم لکھتے ہیں کہ ۱۷ برس کی عمر میں والد کی وفات پر ان کے جانشین ہوئے اور ۶۰ سال تک درس دیا اور علم حدیث جسے شاہ ولی اللہ نے از سر نو ہندوستان میں رائج کیا تھا۔ اس کا فیض ملک میں عام کیا۔آپ کی معلومات بے حد وسیع تھیں۔

آپ کی عظمت کا اندازہ اس سے کیا جاسکتا ہے کہ نہ صرف امور مذہبی اور حدیث وتفسیر اور فقہ میں آپ کی رائے کو بڑی وقعت سے دیکھا جاتا ہے۔ بلکہ ادبی معاملات میں بھی آپ کی رائے کی بڑی اہمیت تھی آپ بڑے زندہ دل اور حاضر جواب تھے۔(رود کوثر)

سادگی بذاتِ خود حسن ہے

موجودہ دور میں گھر ہو یا سڑک، کالج ہو یا دفتر، پارٹی ہو یا میلا ہر جگہ نوجوانوں میں فیشن و سجنے کا رجحان تیزی سے پھیل رہا ہے۔ قیمتی لباس کو آج امارت کی نشانی سمجھا جاتا ہے۔ آج مہمانوں کی تواضع بھی ان کے زیب کردہ لباس کو دیکھ کر کی جاتی ہے، کیا ہم نے اپنی اصل کو کھو دیا ہے؟ کیا ہمارے مقابل ذاتی صفات کی اہمیت نہیں؟ کیا محض دکھاوے کی چاہ میں ہم سرگرداں ہو رہے ہیں؟ یہ تمام سوالات قابل غور ہیں۔

آج کے نوجوانوں کو اگر کسی تقریب میں جانا مقصود ہو تو ہفتہ بھر قبل ہی ذہن پریشانیوں کی آماجگاہ بن جاتا ہے۔ لباس ایسا ہو جو قیمتی بھی ہو اور خوبصورت بھی۔ لباس سے میچ کرتے سینڈلز بھی نئے ہونے چاہئیں، پھر جیولری بھی قیمتی ہونی چاہیے، اس فیشن اور نقالی کی دوڑ میں لڑکوں نے بھی اپنے قدم پیچھے نہیں رکھے ہیں، موجودہ دور کی سب سے زیادہ استعمال ہونے والی چیز ''موبائل فون'' بھی ہے، جس کا استعمال ضرورت کے تحت ہی کیا جاتا تھا مگر اب فقط فیشن کا ایک سیمپل بن کر رہ گیا ہے۔

سجنے سنورنے اور فیشن کو جب ٹی وی، اخبار، رسالے اور فلموں میں دکھایا جاتا ہے اور جنہیں دیکھ کر نوجوان بھی اسی دوڑ میں شامل ہو جاتے ہیں، بازاروں میں مختلف اشیاء سنگھار، میک اپ کے لوازمات اور لباس مشہور ماڈلز اور ہیرو، ہیروئن کے نام پر فروخت کئے جاتے ہیں۔ جنہیں نوجوان لڑکے لڑکیاں نہایت جوش و خروش سے خریدتے ہیں۔

اکثر اوقات اس فیشن کے وبائی مرض میں مبتلا لوگ گھر کی خستہ حالی کو بھی فراموش کر دیتے ہیں، دیگر انتہائی ضروریات کو پسِ پشت ڈال دیتے ہیں اور اپنے بے جا فیشن کی تکمیل کرتے ہیں۔ آج

بیشتر لڑکیاں محض اپنے فیشن کی ضروریات کی تکمیل کی خاطر ملازمت بھی کرتی ہیں اور اسی کی طرح سڑکوں کی خاک چھانتی ہیں۔

یہ فیشن کا فرض فقط ذات تک محدود نہیں بلکہ اب گھروں کو سجانے سنوارنے کے فیشن نے بھی لوگوں کو ادھ موا کر دیا ہے۔ بڑھتی مہنگائی اور محدود تنخواہ میں دوسروں کی نقالی کا جنون راتوں کو بے خواب کرنے لگا ہے، شاید ہم نے یہ سمجھ لیا ہے کہ مصنوعی لوازمات کا بوجھ لاد کر فیشن ایبل بن جانے سے ہم ''خوبصورتی'' کے زمرے میں شامل ہو جائیں گے اور یہی ہماری سب سے بڑی بھول ہے۔

صحراء کے پیاسے کو کون بتلائے کہ دور سے چمکتے ذرے آب نہیں محض سراب ہیں اسی رات کا ایک حصہ ہیں جن میں وہ سرگرداں ہیں۔ آج ہم نے ان ذریں اقوال کو فراموش کر دیا ہے جو حقیقت کو آشکارا کرتے ہیں۔ آج ہم سچے مسلمان نہیں، پھر ہمارے چہرے پر نورے کیسے ہو سکتے ہیں؟ آج ہم نے خوش خلقی کو خود سے کوسوں دور کر رکھا ہے۔ ریا کاری کی دوڑ میں ہمیں اتنی فراغت ہی دستیاب نہیں ہوئی کہ ہم کسی سے خوش گفتاری وملنساری کے ہمراہ گفتگو کر سکیں، پھر ہم میں جاذبیت کیوں کر پیدا ہوگی؟

آج ہم نے مہمان نوازی کو فقط ایک بوجھ تصور کر لیا ہے، پھر ہمارے گھر رحمت و برکت کس طرح برس سکتی ہے اور بغیر رحمت و برکت کے گھروں میں دلکشی کسی صورت میں ہو سکتی ہے؟

ہم ٹی وی، اخبار، رسالوں میں سجے سنورے کرداروں کو دیکھ کر ان جیسا بننے کی کوشش میں سردھڑ کی بازی لگا دیتے ہیں۔ حالانکہ یہ کس قدر نادانی کی بات اور حماقت ہے، ہم کیوں فراموش کر دیتے ہیں کہ ان کرداروں کا فیشن کرنا ان کی ضرورت یا مجبوری ہے۔

اگر وہ اس میں گلیمر نہیں پیدا کریں گے تو لوگ انہیں ذوق وشوق سے نہیں دیکھیں گے۔ لان، گاڑیاں، پارٹیاں، سجاوٹ، جاہ وحشم ناظرین کو دکھلانا ان کی ضرورت ہے تاکہ ہم ان کے پروگرام دیکھنے اور رسائل خریدنے پر مائل ہوں۔

ہم میں اس فیشن کی مہلک بیماری کے پھیلنے کی سب سے بڑی وجہ مذہب سے دوری ہے، دوسری بڑی وجہ ہوس ہے اور تیسری وجہ نقالی کا زور ہے۔ زندگی خواہشوں کا ایک ایسا دائرہ ہے جس میں انسان مقید ہے اور یہ لمحہ بہ لمحہ بڑھتی ہی جا رہی ہے۔ ایک خواہش کے اختتام پر دوسری خواہش اس کی

جگہ لے لیتی ہے۔ یوں خواہشات کا یہ طویل سلسلہ زندگی کے ساتھ چلتا ہی رہتا ہے۔ زندگی بذاتِ خود ایک خواہش ہے، زندہ رہنے کی خواہش، دوسروں سے آگے نکلنے کی خواہش اور بے شمار خوشیاں حاصل کرنے کی خواہش۔

انسان اپنی خواہشات کے حصول کے لیے دن رات ایک کر دیتا ہے۔ اگر خواہشات قبولیت کا لبادہ اوڑھ لے تو زندگی مسرتوں سے ہمکنار ہونے لگتی ہے۔

لیکن اگر خواہشات حسرت کی صورت میں تبدیل ہو جائیں تو انسان کی زندگی دکھ اور کرب کی المناک تصویر بن جاتی ہے۔ آج ہم بھی خواہشات کے سمندر میں غوطہ زن ہو چکے ہیں۔ بیرونی ممالک کی تہذیبی، خوش رنگی ہمیں مار ڈالتی ہے۔ رہن سہن کی آسائشوں سے لیس ہونے کے لیے ہماری خواہش قالین، صوفے، پردے غرض گھر کی سجاوٹ کے لیے ضروری ہر چیز کی خواہش اور حسرت لئے ہوئے ہے۔ اپنی ذات کے متعلق فیشن اور میک اپ ہمہ وقت متفکر رکھتا ہے ہم نے سادگی کو خود سے دور کر لیا ہے۔

یہ ساری باتیں ہلاکت کی ہیں، ترقی کی نہیں۔ ذہن نشین رکھیں سادگی میں آسانی اور خوبصورتی دونوں ہی مضمر ہیں۔ سادگی زندگی کو سہل اور دلکش بناتی ہے۔ جس طرح ایک کنول اپنی حقیقت کو فراموش نہ کرتے ہوئے کیچڑ میں جاذب نظر و دلکش نظر آتا ہے، اتنا حسین کسی قیمتی گلدان میں نظر نہیں آتا۔ یہی فلسفہ انسانی زندگی پر بھی صادق آتا ہے۔ ہمیں چاہیے کہ اپنی تہذیب اور کلچر کو فراموش نہ کریں اور اپنے نفس پر قابو پانا سیکھیں۔

نکاح خلاصہ و جامع عبادات

نکاح افضل ترین عبادت ہے بلکہ خلاصہ اور جامع عبادات ہے۔ اگر ایسا نہ ہوتا تو انبیاء علیہم السلام کو اس میں امت کے مقابلہ میں امتیاز حاصل نہ ہوتا۔ ہر مسلمان کو چار بیویاں رکھنے اجازت ہے لیکن انبیا علیہم السلام کے لیے اس تعداد کی قید نہ تھی اور افضل الرسل اور آخری نبی کے گھر میں بیک وقت نو بیویاں تھی اور فرماتے ''آؤ عائشہ مجھ سے باتیں کرو'' آپ نے کبھی محبت وانس کے اظہار کے کہانیاں بھی سنائیں ہیں لیکن بہت کم لوگوں کو اس کے عبادت ہونے کا استحضار ہے۔ کیا آپ نے کسی کو نماز میں

سگریٹ پیتے ہوئے دیکھا ہے؟ لیکن میں نوشہ کو بارہا مجلسِ نکاح میں سگریٹ پیتے ہوئے دیکھا ہے، اگر اس کو اس کا علم ہوتا کہ وہ ایک اعلیٰ درجہ کی عبادت میں مشغول ہے جو تقرب الی اللہ کا ذریعہ ہے تو وہ اسی طرح سے اس میں ایسی چیزوں سے احتراز کرتا جیسے کوئی شخص نماز میں سگریٹ نہیں پی سکتا۔

مقصود و غیر مقصود میں امتیاز کرنا ضروری ہے

سارا معاملہ مقصود کے سمجھنے کا ہے اور مقاصد اور زوائد میں فرق کرنے کا ہے، مولانا جامی نے صحیح ارشاد فرمایا ہے''التوحید اسقاط الاضافات ''اس حکیمانہ جملہ تشریح کے لیے عرض کرتا ہوں کہ ایک غیر مسلم یا کسی انجان شخص نے ایک نمازی کو وضو کر کے مسجد کی طرف جاتا ہوا دیکھا تھا، وہ سمجھا کہ وضو کی حقیقت چند اعضاء کا دھونا ہے۔ اس نے بھی (بلانیت وفہم) جن جن اعضاء کو دھوتے ہوئے دیکھا تھا، دھولیا اور ان کے پیچھے پیچھے وہ بھی چلا۔

مسجد میں پہنچ کر اس نے دیکھا کہ انہوں نے ایک محراب اور ایک منبر کی طرف منہ کر کے رکوع وسجود کیا۔ اس نے بھی ہاتھ باندھ لیے اور سی محراب ومنبر کو مقصود و مسجود سمجھ کر رکوع وسجود کیا اور یہی سمجھتا رہا کہ انہیں چیزوں کو سجدہ کیا جاتا ہے، حالانکہ جن کی اقتداء اور نقل کی تھی، انکی نظر کے سامنے سے محراب ومنبر، قبلہ کی دیوار اور راستہ کے دریا و پہاڑ سب ہٹ کر خانۂ کعبہ ہوا تھا اور وہ بھی مسجود و مقصود نہ تھا ،اللہ کی ذات مقصود و مسجود تھی۔

اب وہ صاحب موحد وخدا پرست کہلائیں گے اور یہ نقال وکوتاہ نظر شخص مشرک وسنگ وخشت پرست، اسی کو حدیث میں کہا گیا ہے

''انما الاعمال بالنیات وانما لامرء مانوی فمن کانت ھجرته الی الله ورسوله فھجرته الی الله ورسوله ومن کانت ھجرته الی دنیا یصیبھا او امرأة ینکحھا فھجرته الی ماھا جرالیه''

(سارے اعمال کا دارومدار نیتوں پر ہے اور ہر شخص کو وہی ملے گا جس کی اس نے نیت کی، پس جس شخص کی ہجرت اللہ اور اس کے رسول کی طرف ہوگی اس کی ہجرت اللہ اس کے رسول کے لیے شمار ہوگی اور جس کی ہجرت کسی دنیاوی منافع کے حصول یا کسی عورت سے شادی کرنے کی خاطر ہوگی تو اس کی ہجرت انہیں چیزوں کے لیے شمار ہوگی)

بچوں کے صفحات

خوفِ آخرت

حضرت ابوبکر صدیقؓ اور ایک صحابی حضرت ربیعہؓ بن کعب اسلمی کے درمیان ایک زمین کے بارے میں جھگڑ ہو گیا۔ حضرت ابوبکرؓ کی زبان سے کوئی سخت بات نکل گئی۔ بعد کو احساس ہوا تو فرمایا: ''ربیعہؓ تم بھی کوئی ایسی سخت بات کہہ لو''۔ وہ اس کے لیے تیار نہ ہوئے۔ آپ نے فرمایا ''میں رسول اللہ ﷺ سے تمہاری شکایت کرونگا''۔

مطلب یہ تھا کہ کسی طرح انہوں نے نہ تو بدلہ لیا نہ ہی کچھ اور کہا بلکہ اس زمین سے ہاتھ اٹھا لیا۔ اس پر حضرت ابوبکرؓ خدمتِ نبویؐ میں چلے تو ربیعہؓ بھی پیچھے ہو گئے۔ ربیعہؓ کے قبیلے والے ان کی حمایت کے لیے تیار ہو گئے۔ بولے کیا خوب بات ہے پہلے خود ہی ایک سخت بات کہہ لی اور اب شکایت کرنے حضور اکرم ﷺ کے پاس بھی جا رہے ہیں۔

ربیعہؓ نے اپنے قبیلے والوں سے کہا تم چپ رہو جانتے ہو یہ حضور ﷺ کے رفیقِ غار ہیں۔ انہوں نے تم کو دیکھ لیا تو غضب ناک ہو جائیں گے اور حضور اکرم ﷺ نے انہیں غضب ناک دیکھا تو آپؐ کو بھی غصہ آجائے گا اور ان دونوں کے غصے سے اللہ تعالیٰ کا غصہ بھڑک اٹھے گا اور ربیعہؓ تباہ ہو جائیگا''۔

حضرت ابوبکر صدیقؓ نے خدمتِ نبویؐ میں حاضر ہو کر سارا واقعہ عرض کیا۔ ربیعہؓ نے بھی اپنی گزارش پیش کی۔ حضور ﷺ نے ربیعہؓ کی تعریف کی اور فرمایا تم نے اچھا کیا جو ابوبکرؓ کو پلٹ کر وہی بات نہیں کہہ دی۔ اب تم یوں کہہ دو کہ اے ابوبکر! اللہ آپ کی غلطی معاف کرے۔ ربیعہؓ نے اس حکم کی تعمیل کی تو حضرت ابوبکر صدیقؓ پر اتنا اثر ہوا کہ آپ کی آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے اور زار زار رونے لگے۔ دیکھا آپ نے عزیز بچو! کہ اللہ تعالیٰ کے نیک بندے بدلہ نہیں لیتے بلکہ معاف کر دیتے ہیں۔ اور اللہ تعالیٰ کے نیک بندوں کو جب اپنی غلطی کا احساس ہو جاتا ہے تو وہ رو رو کر اللہ پاک سے معافی مانگ لیتے ہیں۔

دعا کرو کہ اللہ پاک ہم کو بھی ایسا کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ (آمین)

حضرت مالک بن دینار رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ

عملوں میں سے محبوب ترین عمل مجھے وہ اخلاص ہے جو عمل میں ہو۔

زبردست جادوگر سے بچو جو علماء کے دلوں پر بھی جادو چلا لیتی ہے وہ جادوگر دنیا ہے۔

تم جس قدر دنیا کے لیے غمگین ہوتے ہو اسی قدر آخرت کا غم کم ہو جاتا ہے اور جس قدر آخرت کا غم کھاتے ہو اسی قدر دنیا کا غم مٹ جاتا ہے۔

ہم نے محبت دنیا میں ایک دوسرے سے صلح کرلی ہے ہم میں سے کوئی کسی کو نہ حکم دیتا ہے نہ منع کرتا ہے حالانکہ اللہ تعالیٰ نے ہمیں اس چیز کا حکم نہیں فرمایا کیا خبر ہم کس قسم کے عذاب میں مبتلا ہوں گے۔

اللہ تعالیٰ اس بندے پر رحم کرے جس نے اپنے نفس سے یہ کہا کہ تو نے ایسا ایسا کام انجام نہیں دیا پھر اس کی خدمت کی اس کی ناک میں نکیل ڈال کر کتاب اللہ کی پیروی کو اس کے لیے لازمی قرار دے دیا ایسا شخص اپنے نفس کا قائد ہوگا اور حقیقت میں نفس کا محاسبہ ہے۔

اے لوگو! مجھے بیت الخلاء کی طرف زیادہ آنا جانا پڑتا ہے یہاں تک کہ زیادہ کھانے سے مجھے اپنے رب سے شرم آئی۔

کاش اللہ میری روزی کنکریوں میں کر دیتا میں انہیں چوس لیا کرتا یہاں تک کہ مجھے موت آجاتی۔

جس دل میں غم نہ ہو وہ بگڑ جائے گا جیسا کہ گھر اگر اس میں رہائش نہ ہو تو بگڑ جاتا ہے۔

مسلمانوں! ہوشیار رہو، اپنا ایمان بچاؤ

کچھ عرصہ سے معلوم ہوا ہے کہ مسلمانوں میں کچھ ناسمجھ افراد یورپی ممالک میں جا کر سیاسی پناہ حاصل کرنے کے لیے اپنے آپ کو قادیانی ظاہر کر کے وہاں کے محکموں میں بیان حلفی داخل کراتے ہیں۔اس کے پیچھے قادیانی لابی متحرک ہے۔اس پر ہمیں کئی دفع لوگوں نے سوالات بھیجے ہیں

(۱)۔کیا ایسا شخص مسلمان رہ جاتا ہے؟

(۲)۔کیا ایسے شخص کے ساتھ کسی مسلمان لڑکی کا نکاح کیا جاسکتا ہے؟

(۳) اگر ایسا شخص پہلے سے شادی شدہ ہے تو کیا اس کی بیوی اس کے نکاح میں رہی یا نہیں، وہ اب کیا کرے؟

(۴)۔کیا ایسے شخص کی توبہ قبول ہوسکتی ہے، اگر ہوسکتی ہے تو اس کی کیا شکل ہے؟

جواب

(۱)۔امت مسلمہ اور پاکستان اسمبلی کے متفقہ فیصلے کے مطابق قادیانی غیر مسلم اقلیت ہیں۔ان پر وہی احکام لاگو ہوتے ہیں جو کہ دوسرے تمام غیر مسلم لوگوں پر ہوتے ہیں۔لہذا اگر کوئی شخص جناب محمد ﷺ کی ختم نبوت کا اقرار کرتے ہوئے بھی اپنے آپ کو غیر کے سامنے قادیانی ظاہر کرتا ہے تو ایک طرح سے علی الاعلان وہ عقیدہ ختم نبوت کا منکر ہے، وہ شخص نہ صرف دائرہ اسلام سے خارج ہے بلکہ مرتد بھی ہے۔

(۲)۔کسی بھی غیر مسلم اور خصوصاً مرتد کے ساتھ مسلمان عورت کا نکاح جائز نہیں۔

(۳) اگر کوئی شخص شادی کے بعد قادیانی ہوگیا تو اس کی بیوی کا نکاح بروئے شریعت باقی نہیں رہا۔وہ عورت اس مرتد سے طلاق لیے بغیر عدت پوری کر کے دوسرے سے نکاح کرسکتی ہے۔

(۴) ایسے شخص کی توبہ عام طریقہ سے قبول نہیں۔اس کی توبہ صرف اس شکل میں قبول ہوسکتی ہے کہ وہ اسی محکمہ میں جائے جس میں اس نے پہلے اپنے آپ کو قادیانی بنا کر پیش کیا تھا۔یہ کہے کہ میں نے آپ کے محکمے سے یہ جھوٹ بولا تھا کہ میں قادیانی ہوں۔اب میں وضاحت کرتا ہوں کہ میں قادیانی نہیں ہو۔اس کے بعد وہ توبہ کرے۔اس کے بغیر توبہ قبول نہیں۔کیونکہ قادیانی ہر سال اسی قسم کے محکموں سے لوگوں کے قادیانی ہونے کی تصدیق کروا کر دنیا کو دھوکہ دینے کے لیے اپنی رپورٹ شائع کرتے ہیں کہ دیکھو اس سال اتنے لوگ قادیانی ہوگئے ہیں۔

منجانب۔ ابن انیس حبیب الرحمٰن لدھیانوی، فیصل آباد
مولانا حاجی اکرم شاد ، نیویارک (امریکہ)

MONTHLY MAGAZINE **Millia** FAISALABAD PAKISTAN
JAMIA MILLIA ISLAMIA
Reg:M # FD-16

MOHALLAH KHALSA COLLEGE FAISALABAD Ph:041-8711569
E-mail: milliafsd@yahoo.com Fax # 041-8502213

www.milliafsd.com